فہرست مضامین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں بیویوں

حضرت سارہ علیہا السلام

اور

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا بیان

کریم پیغمبر کی بیوی سارہ:

یہ ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سارہ علیہا السلام کا تذکرہ ہے۔اس بیوی کی سیرت کے تذکرے میں کانوں کے لئے لذت کا سامان اور ذہنوں کے لئے جلا ہے۔ان کا قصہ قرآن کریم میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے۔اور احادیث نبوی شریف میں بھی ان کا تفصیلی بیان ہے۔اور تواریخ و تفسیر کی کتب میں بھی آپ کی سیرت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔اور معلومات کو تاریخ کے اوراق میں سمویا گیا ہے۔

اب ہم اس پاک سیرت بیوی کے ذکر سے اپنے مشام جان کو معطر کرتے ہیں۔اور اپنے نفوس کو روحانی مسرت سے سرشار کرتے ہیں۔اور اپنے قلوب کو باری تعالی سے جوڑتے ہیں۔اور اللہ کریم سے ایسا دائمی تعلق قائم کرتے ہیں جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

اسم گرامی سارہ خاتون علیہا السلام:

تمام مفسرین،مورخین،محدثین اور تذکرہ نویسوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بیوی کا نام نامی حضرت سارہ علیہا السلام بتایا ہے۔

اب ہم حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کے حالات معہ ان کے شوہر کے تفصیل سے بیان کریں گے۔یہ وہ خاتون ہیں جو فرشتوں سے ہم کلام ہوئیں۔اور فرشتوں نے ان سے باتیں کیں۔اور جب اللہ تعالی کے فرشتوں نے انہیں بیٹے کی خوشخبری سنائی تو آپ خوشی سے مسکرا رہی تھیں۔کہ اللہ تعالی کے عطا کردہ اس اکرام کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔اور یہ اکرام ان کے لئے بعد کو مبارک و سعید ہو گیا۔

اور پھر اس سے اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کو بھی ٹھنڈک بخشی۔ کہ اس نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے ہمکنار فرمایا۔ اور آپ کو انبیاء علیہم السلام جیسی پاک ذریت بخشی۔ اور انہیں اپنا دلی دوست (خلیل) بنالیا۔ اور قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے معطر کلام سے ان کی مدح سرائی کی۔ اور آپ اپنے پاک پروردگار پر مکمل بھروسہ کرنے والے اور تابع فرمان تھے۔ اور اللہ کریم نے آپ کے جلیل القدر انبیاء کا پیشوا قرار دیا۔

''اور حلم جیسی مخصوص ربانی صفت سے موصوف فرمایا''۔ اِنِّـیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ☆

اور قرآن کریم میں ایک پوری سورت ''ابراھیم'' کے نام سے نازل فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام:

کتب تفاسیر و تواریخ میں آتا ہے۔ کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر بابل میں سکونت فرماتے تھے۔ اور وہیں آپ نے حضرت سارہ خاتون سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ اور آپ کی رسالت پر ایمان لا چکی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی وہیں رہتے تھے۔ وہ بھی آپ پر ایمان لا چکے تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ خاتون بانجھ تھیں۔ اور اللہ کریم نے انہیں حسن و جمال کی دولت سے بہت نوازا تھا۔ اور تواریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی ملکیت میں مال مویشی کثیر تعداد میں تھے۔ اور زمین کی بہت بڑی جاگیر بھی تھی۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سپردگی میں دے دیا تھا۔ تاکہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کریں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب نبوت تفویض ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو دین کی دعوت دینے کا حکم ہوا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فریضے

کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ اور دین حق لوگوں تک پہنچانے میں آپ نے پوری جدوجہد فرمائی۔ لیکن قوم راہ راست پر نہ آئی۔ اور آپ ان کی ہدایت سے مکمل طور پر مایوس ہو گئے۔ کہ قوم نے بڑے بڑے معجزے دیکھ کر بھی ایمان کی طرف رخ نہیں کیا۔ اور بابل کی زمین آپ پر تنگ کر دی گئی۔ تو اس موقعہ پر کافروں کی سرزمین بابل سے ہجرت کرنا آپ کے لئے ناگزیر ہو گیا۔

کتب میں لکھا ہے۔ کہ آپ اپنی بیوی حضرت سارہ خاتون علیہا السلام اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی وصیت میں بابل سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور بیت المقدس کا رخ فرمایا۔ اور یہ سب لوگ شام کے نواح میں حران نامی بستی میں آرہے۔ وہاں کے لوگ بھی بت پرست تھے۔ اور سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ اس زمانے میں پوری روئے زمین پر کافر ہی آباد تھے۔ اور سوائے بت پرستی اور کواکب پرستی کے کسی اور دین سے واقف نہیں تھے۔ اور ان کے دلوں میں بس بت پرستی اور شرک ہی بھرا ہوا تھا۔ اور اس وقت روئے زمین پر سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی سارہ خاتون اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے اور کوئی مومن موجود نہیں تھا۔

اور اس بت پرستی اور عقیدے کے فسادات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی دور کرنا تھا۔ اور آپ نے ہی اس گمراہی کو تہس نہس اور کفر کو نیست و نابود کرنا تھا۔ اور اللہ کریم نے آپ کو یہ شرف بخشا اور اکرام نصیب فرمایا کہ آپ نے یہ کام کر دکھایا۔ اللہ کریم نے آپ کو کمسنی اور آغاز سے ہی رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ اور پھر وقت آنے پر آپ کو منصب رسالت پر فائز فرما کر اپنا خلیل (ولی دوست) بنا لیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس منصب جلیل کے اہل بھی تھے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ ☆ ﴿الانبیاء : ۵۱﴾

''اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی۔ اور ہم ان کے حال سے واقف تھے''۔

حضرت سارہ خاتون کے کمالات:

معتبر ذریعوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سارہ علیہا السلام کو اللہ کریم نے حسن و جمال کے وصف سے پوری طرح سرفراز فرمایا تھا۔ اور انسانی کمالات اور خوبیوں میں آپ دنیا کی دوسری عورتوں سے ممتاز تھیں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں حضرت انس بن مالک کے حوالے سے ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر کی ہے۔ کہ حضرت سارہ خاتون اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بدرجہ کمال حسن کی دولت عطا فرمائی گئی تھی۔ کہ دنیا کے کل حسن کا نصف حضرت سارہ و حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے حسن کو کل دس حصوں میں تقسیم فرما دیا۔ جس میں سے تین حصے حضرت بی بی حوا علیہا السلام کو تین حصے حضرت سارہ علیہ السلام کو تین حصے حضرت یوسف علیہ السلام کو اور ایک حصہ تمام مخلوق کو عطا فرمایا۔ اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت غیرت مند بھی تھیں۔

حضرت سارہ خاتون کی آزمائش:

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام مصر میں وارد ہوئی ہیں۔ تو انہیں اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ پرانی دستاویزات میں یہ بات موجود ہے۔ کہ ارض فلسطین جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ قحط سالی و خشک سالی کا شکار ہوگئی۔ جس کی وجہ سے آپ کو

اپنی بیوی حضرت سارہ خاتون علیہ السلام کی معیت میں مصر کی طرف ہجرت کرنا پڑی ۔جب یہ لوگ مصر پہنچے۔تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا۔ کہ مصر کا ظالم بادشاہ دوسروں کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے۔تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی بیوی کی خوبصورتی کے پیش نظر اندیشہ ہوا۔تو انہوں نے حضرت سارہ سے کہا۔ کہ اگر بادشاہ نے مجھ سے تمہارے تعارف کے بارے میں پوچھا تو میں اس سے کہونگا۔ کہ یہ میری بہن لگتی ہے ۔تو تم میری بات کی تردید نہ کرنا۔ کیونکہ اس ملک میں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مسلمان نہیں ہے۔اور کتاب اللہ کی رو سے تم میری بہن ہی لگتی ہو۔ کیونکہ سب مسلمان آپس میں بھائی بندے ہوتے ہیں۔لہذا مسلمان ہونے کے ناطے سے تم میری بہن ہوئیں۔

حضرت سارہ خاتون دربار شاہی میں:

پھر ایسا اتفاق ہوا۔ کہ مصر کے کسی سرکاری افسر نے حضرت سارہ خاتون کی جھلک دیکھ لی ۔اور دوڑتا ہوا اپنے بادشاہ کے پاس گیا۔اور کہنے لگا۔سرکار آج کل مصر میں ایک ایسی حسین وجمیل خاتون وارد ہوئی ہے۔وہ آپ کے عین شایان شان ہے۔ کہ اس کا حسن و جمال سورج کی روشنی کو شرماتا ہے۔ بادشاہ تو یہ سن کر خوشی سے پھول گیا۔اور اپنے اس خوشامدی افسر کو حکم دیا کہ اس حسین وجمیل خاتون کو دربار میں فوراً حاضر کیا جائے۔

لہذا اس افسر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کے پاس آ کر کہا۔ کہ بادشاہ نے اس خاتون کو بلا بھیجا ہے۔لہذا حضرت سارہ علیہا السلام اس افسر کے ساتھ چل پڑیں۔اور محل کے اندر چلی گئیں۔آپ نے محل کی شان وشوکت دیکھی کہ بڑے بڑے ریشمی پردے لٹکے ہوئے ہیں۔اور کئی قسم کے پاٹ دھرے ہیں۔اور مخملی فرش بچھے ہیں۔اور بڑے بڑے قوی ہیکل ستون ایستادہ ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئیں۔اور محل کی شفاف چمکیلی اور منقش دیواروں نے

انہیں ذرا بھی مبہوت نہیں کیا۔ اور دائیں بائیں پھرتے ہوئے خدمتگاروں سے وہ بالکل مرعوب نہیں ہوئیں۔

کیونکہ ان کا دل اس وقت اللہ تعالٰی سے جڑا ہوا تھا۔ اور وہ نہایت وقار سکون اور اطمینان سے دربار میں کھڑی تھیں۔ اور ان کے دل کو پورا یقین تھا۔ کہ میں پروردگار عالم کی حفاظت میں ہوں۔ اور مالک یوم الدین جو ہر چیز کا مالک و مختار ہے۔ میرا رکھوالا ہے۔ وہ تو اس وقت خدائے کریم کی تسبیح و ذکر میں مصروف تھیں۔ اور ان کا دل وجود الٰہی سے متعلق ہو کر روحانی خوشی حاصل کر رہا تھا۔ اور وہ اس موقعہ پر ذکر الٰہی سے ذرا بھر کو بھی غافل نہیں ہوئیں۔

اور وہ اس وقت اس مراقبے اور تصور میں تھیں کہ میں شاہ مصر کے نہیں بلکہ بادشاہوں کے بادشاہ جبار و قہار کے دربار میں کھڑی ہوں۔ اور وہ جانتی تھیں کہ میں ایک اولوالعزم پیغمبر کی بیوی ہوں۔ جو خلیل الرحمٰن اور محبوب رب العالمین ہیں۔ میں ان کی امانت ہوں۔ اللہ کریم ضرور میری حفاظت فرمائے گا۔

لہٰذا آپ دل و جان سے بارگاہ الٰہی میں حاضر تھیں۔ اور اللہ کریم کی رحمت کے سایہ میں مسرور کھڑی تھیں۔ اور اس خطرناک موقعہ پر آپ کو اپنی حفاظت کا پورا یقین تھا۔ ادھر شاہ مصر آپ کے حسن و جمال سے مبہوت ہو رہا تھا۔ اور اس کے قوی جواب دے گئے تھے اور اس پر رعشہ طاری تھا۔ اور وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اور وہ سمجھ نہیں سکا کہ اس خوف و دہشت کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ خوف اس کے دل و دماغ پر کیوں حاوی ہو رہا ہے۔

اسے کیا معلوم تھا یہ رعشہ و تھرتھراہٹ تنبیہ خداوندی ہے۔ اور جب اس نے دوبارہ حضرت سارہ علیہ السلام کو کھوٹی نظر سے دیکھا۔ تو اس کا رواں رواں خوف و دہشت سے کانپ اٹھا۔ اور اس کے حواس معطل ہو کر رہ گئے۔

اس وقت شیطان لعین نے اس کے کان میں پھونکا۔ کہ ڈریں نہیں؛ آگے بڑھیں۔

اس پر بادشاہ نے جونہی آگے بڑھ کر حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کا ہاتھ تھامنا چاہا۔تو اس کے تمام اعضا بے جان ہو کر رہ گئے۔اور زبان گنگ ہو گئی۔اور اس پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گئی۔اور اس کا دل پھٹنے لگا۔اور اس کے دل و دماغ میں زلزلہ آ گیا۔اور اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔اور اس کے ہاتھ پاؤں تڑپنے اور پھڑ کنے لگا۔

اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام برابر گرم جوشی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے ساتھ سرگوشی اور راز و نیاز میں مصروف تھیں۔کہ انہیں ایسے محسوس ہوا۔کہ ایک نور نے ان کا تمام تن روشن کر دیا ہے۔اور اطمینان اور سکون ان کے دل کی گہرائیوں تک سرایت کر گیا ہے۔اور اللہ کریم کی جانب سے برابر تسلی ان پر نازل ہو رہی ہے۔اور آپ بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہی تھیں:۔

''اے اللہ کریم! تجھے معلوم ہے۔کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول علیہ السلام پر ایمان لائی ہوں۔اور میں نے اپنی عزت کی حفاظت کی ہے۔اور سوائے اپنے شوہر کے کسی کا منہ نہیں دیکھا۔تو اس کافر کو مجھ مسلط نہ کرنا''۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِکَ وَ بِرَسُوْلِکَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِیْ اِلَّا عَلٰی زَوْجِیْ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَیَّ الْکَافِرَ

اس موقعہ پر اس گرفتار عذاب بادشاہ نے حضرت سارہ خاتون علیہا السلام سے گذارش کی کہ اے نیک خاتون! اپنے پروردگار سے دعا کریں۔کہ وہ مجھے اس عذاب سے بچالے۔تو پھر کبھی آپ کی جانب برے ارادے سے نہیں دیکھوں گا۔

اس پر حضرت سارہ علیہ السلام نے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کی کہ اس ظالم و جابر کو

معاف کر دے۔تو ایک دم ایسا ہوا۔ کہ گویا بادشاہ کے بندھن کھل گئے ہیں اور وہ آزاد ہوگیا ہے۔لیکن شیطان کے بہکانے سے دوبارہ اس ظالم نے برائی کے ارادے سے اپنا ہاتھ خلیل الرحمٰن کی زوجہ محترمہ کی طرف بڑھانا چاہا۔تو پہلے سے بھی زیادہ مفلوج اور بے جان ہو کر رہ گیا۔ پھر بادشاہ نے حضرت سارہ خاتون علیہا السلام سے سفارش کی کہ اپنے پروردگار سے میری خلاصی کی دعا کریں۔تو میں پھر ایسے برے کام کا ارداہ نہیں کروں گا۔حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی۔اور اس ظالم کی خلاصی ہوگئی۔تو اس ظالم نے تیسری مرتبہ اس بدنیتی کا مظاہرہ کیا۔اور اسی خدائی عذاب کی مار پڑی تو اس نے نہایت عاجزی اور خشوع وخضوع سے اور رحم طلب نگاہوں سے سارہ سے التجا کی کہ اپنے اس الہ العالمین کی بارگاہ میں میرے لئے سفارش کریں۔جس کی آپ عبادت کرتی ہیں۔کہ وہ مجھے عذاب سے خلاصی دے۔اب میں کبھی بھی اس برائی کے ارادے سے آپ سے پیش نہیں آؤں گا۔

جب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو اس کی بات کا یقین ہوگیا۔تو آپ نے اللہ تعالی سے اس کے لئے عذاب سے رہائی کی دعا فرمائی۔اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول فرمائی۔اور ظالم کو عذاب سے رہائی نصیب ہوئی۔اس موقعہ پر وہ ظالم و جابر حضرت سارہ علیہا السلام کے سامنے دہشت زدہ ہوکر ہانپنے لگا۔جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوکر رہ گئے تھے۔اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا تھا۔

اس موقعہ پر بادشاہ مصر نے حضرت سارہ علیہا السلام سے پوچھا کہ اتنی جلدی تمہارے رب نے تمہاری دعا کیسے سن لی؟ حضرت سارہ علیہا السلام نے فرمایا۔کہ تم بھی اپنے پروردگار کی اطاعت کر کے دیکھ لو۔تو وہ تمہاری بھی اسی طرح سنے گا۔جیسے اس نے میری دعا سنی۔یہ سب ایمان اور یقین کا کمال ہے۔

اللہ اکبر! کیسی خوبصورت بات حضرت سارہ علیہا السلام نے ظالم بادشاہ سے کہی۔ کہ اگر تم اللہ تعالی کے ہو جاؤ گے۔تو اللہ تعالی تمہارا ہو جائے گا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

اگر تم اس عادل و حاکم کے حکم سے سرتابی نہیں کرو گے۔تو تمہارے حکم سے بھی کوئی شخص سرتابی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالی پر پختہ یقین اور ایمان سے معجزے ہوتے ہیں ۔اور اللہ کریم صاحب یقین مومن کی زبان سے بولتا ہے۔اور اس کا ہر کام اللہ تعالی کے ارشارے سے ہوتا ہے۔

اب اس ظالم نے اپنے اس سرکاری افسر کو طلب کیا۔اور اسے کہا۔کہ اس خاتون کو لے جاؤ۔ یہ تم کسی انسان کو نہیں۔جن زادی کو لے آئے ہو۔اور رخصت کرتے وقت بادشاہ مصر نے حضرت سارہ خاتون کی خدمت میں ایک کنیز خدمت کے لئے پیش کی۔جن کا اسم گرامی حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھا۔اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ سارہ خاتون علیہا السلام اور ان کے شوہر اس کے ملک سے چلے جائیں۔

حضرت سارہ خاتون اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اکرام :

جب سے حضرت سارہ علیہ السلام کو دربار مصر کی طرف لے جایا گیا۔تو حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلسل نماز وعبادت میں مصروف اپنی بیوی کی رہائی کی دعا کرتے رہے۔اور یہ کہ اس ظالم و جابر کی طرف سے حضرت سارہ علیہا السلام کو کوئی گزند نہ پہنچے۔اور وہ صحیح و سلامت واپس آجائیں ۔اور ادھر سارہ بھی برابر دعاؤں میں مصروف رہیں ۔کہ اللہ کریم نے انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ وہاں سے رہائی دلائی۔اور ان کے دامن عزت کی حفاظت فرمائی ۔اور اپنے پیارے بندے خلیل الرحمٰن کی عزت کو صاف محفوظ رکھا۔

مفسر کبیر حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کی کرامت اور حفاظت کے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ میں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی اثر میں دیکھا ہے۔ کہ جس وقت حضرت سارہ خاتون علیہ السلام دربارہ بادشاہ میں پیش کی گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تسلی کے لئے حضرت سارہ علیہ السلام اور آپ کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام سارا وقعہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ اور وہاں جانے سے لے کر واپس آنے تک سب کچھ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ اور یہ کرامت آپ کا دل صاف رکھنے اور مزید مطمئن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی۔ کیونکہ حضرت سارہ علیہا السلام بوجہ دین داری اور تقویٰ کے اور نیز حسن و جمال کی وجہ سے بھی آپ کو بہت محبوب تھیں کہتے ہیں کہ حضرت بی بی حوا کے بعد یہی دنیا کی عورتوں میں سب سے زیادہ صاحب حسن و جمال تھیں۔

بحوالہ الھدایۃ والنھایۃ

اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ کہ دنیا میں تین عورتیں مرتبہ نبوت پر سرفراز ہوئی ہیں۔

۱۔ حضرت سارہ خاتون علیہا السلام۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ علیہا محترمہ۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم بی بی علیہا السلام۔

لیکن جمہور علما اسلام کا خیال ہے۔ کہ یہ خواتین گرامی تینوں کی تینوں صدیقہ تھیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت سارہ خاتون کا بیان:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہ السلام کا واقعہ جابر بادشاہ کے ساتھ اپنی زبان مبارک سے بیان فرمایا ہے:۔

چنانچہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تین مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظاہری طور پر خلاف واقعہ بات کی۔ دوبار

اللہ کریم کی توحید کے سلسلے میں کہ جب قوم نے آپ سے میلے میں چلنے کو کہا۔تو آپ نے فرمایا۔کہ میں بیمار ہوں۔اور جب قوم نے پوچھا کہ یہ ہمارے معبودوں کو کس نے توڑا پھوڑا ہے۔تو آپ نے فرمایا:۔

''بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے۔اس سے پوچھ لو''۔ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُ ط

اور ایک بار اس موقعہ پر کہ آپ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ جارہے تھے اور جابر بادشاہ کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی کے ساتھ ایک نہایت ہی حسین وجمیل عورت جارہی ہے۔تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ آپ کی کون ہوتی ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہیں۔پھر آپ سارہ کے پاس آئے اور فرمایا۔کہ اس وقت میرے اور تیرے سوا کوئی مومن دنیا میں موجود نہیں۔تو ایک طرح سے مومن ہونے کے ناطے سے ہم بہن بھائی ہیں۔اور میں نے انہیں یہی بتایا ہے۔اگر تم سے پوچھیں تو تم میری بات کی تردید نہ کرنا۔

اور اس کے بعد ظالم بادشاہ کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر ہوا۔

لہٰذا اس بادشاہ نے آپ کو چھوڑ دیا۔اور بطور خادمہ کے ایک کنیز ہاجرہ علیہا السلام کو آپ کے ساتھ کر دیا۔جب یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔حضرت سارہ کو دیکھ کر آپ نے ہاتھ سے اشارہ سے پوچھا'' مَهْيَمْ '' کہ کیا ہوا؟ تو حضرت سارہ علیہ السلام نے آپ کو جواب دیا۔کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے فریب کو ناکام کر دیا۔اور یہ ہاجرہ بی بی بطور خادمہ کے ساتھ آئی ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ تِلْكَ اُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَاءِ السَّمَآءِ .

حضرت سارہ وہاجرہ:

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے فلسطین کو لوٹ آئے۔اور حضرت سارہ علیہ

السلام اور ان کے ساتھ حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی ساتھ آئیں ۔ جو حضرت سارہ علیہا السلام اور آپ کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت کرتی تھیں ۔

اور یہ سب بیت المقدس میں رہ پڑے جو ایک بابرکت سرزمین تھی ۔ وہیں ان کے ماہ وسال گذرتے گئے ۔ اور حضرت سارہ خاتون عمر رسیدہ ہوگئیں ۔ اور سر کے بال سفید ہوگئے ۔ اور نہایت کمزور اور بوڑھی ہوگئیں ۔ اور یہ آپ کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے بھی عمر میں کئی سال بڑے تھے ۔

حضرت سارہ علیہا السلام اپنی اور اپنے شوہر کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتیں ۔ اور دل میں کہتیں کاش ہمارا کوئی بیٹا ہوتا جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں ۔

امام ابن عسا کر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے ۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ کہ آپ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بانجھ ہوچکی تھیں ۔ جب سارہ علیہا السلام نے دیکھا کہ اب اولاد کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو آپ نے چاہا کہ وہ اپنی کنیز ہاجرہ کو اپنے شوہر کو پیش کردیں ۔ لیکن غیرت نے آپ کو ایسا کرنے سے روکے رکھا ۔

لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنی روحانیت کی وجہ سے اور اپنے شوہر کی محبت میں ان کے لئے ایثار فرمایا ۔ اور اس تمنا میں کہ ان کے شوہر کے ہاں اولاد ہوجائے ۔ اور اولاد کی وہ خود اہل نہیں ۔ لہذا انہی اخلاص بھرے روحانی لمحات میں اپنی مصری خادمہ حضرت ہاجرہ کو جو سارہ کے ساتھ ہی رہتی تھیں ۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر ایمان بھی لا چکی تھیں ۔ اور اپنی ذات کو خدائے لاشریک کے سپرد کردیا تھا ۔ اور ہر وقت عبادت وذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتی تھیں ۔ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کرلیا ۔

اور حضرت سارہ خاتون حضرت ہاجرہ کی یہ عبادت گزاری نیک اعمال ذکر اذکار اور دن رات ان دونوں کی خدمت گاری ملاحظہ فرماتی رہیں۔ رات دن گذرتے رہے۔ اور حضرت ہاجرہ کو نہیں معلوم تھا۔ کہ حضرت سارہ کے دل میں کیا جذبات اٹھ رہے ہیں۔ اسی دوران میں حضرت ہاجرہ بھی روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ کر نہایت پاک نفس ہوگئی تھیں۔ کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت اور لذت ذکر اذکار میں مصروف رہتیں۔ اور ایمان کو اپنے دل میں پختہ کرتی رہتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہتیں۔

لہٰذا خدائے کریم رؤف الرحیم کی مشیت کو یہ منظور ہوا۔ کہ وہ اپنی اس نیک بندی کو ان اعمال صالحہ کی جزا دے اور اس شکرگزار خاتون کو اپنے انعامات سے مزید نوازے اور زمانے بھر کی عورتوں پر ان کا اکرام و مرتبہ بلند کرے اور حکمت الٰہیہ کو یہ بات پسند ہوئی کہ ان کا معطر ذکر خیر تا قیامت جاری و ساری رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ حضرت ہاجرہ خاتون کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کر دیں۔ لہٰذا روحانی صفائی کی بنا پر اللہ کریم نے حضرت سارہ علیہا السلام کا دل اس نیک کام کے لئے کشادہ کر دیا۔ اور آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ یا خلیل الرحمٰن! یہ ہاجرہ بی بی آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ اس سے نکاح فرما لیجئے۔ تا کہ ان سے اللہ پاک آپ کو اولاد کی دولت سے مالا مال کر دیں۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد آیا۔ کہ رب کریم نے ان سے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ وہ انہیں پاک ذریت کا انعام بخشیں گے:۔

وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَأْتِيًّا ☆ ’’اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے‘‘۔

لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ خاتون کی یہ پیشکش فوراً قبول

فرمائی۔تا کہ وعدہ الٰہی پورا ہو۔اوران کی مراد بر آئے۔

اس طرح حضرت ہاجرہ امید سے ہوگئیں۔اور آپ کے ہاں ایک نہایت صحت مند خوبصورت بچہ تولد ہوا۔جس کا نام گرامی حضرت اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

اس خوبرو لڑکے کی پیدائش پر حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو بھی بہت مسرت ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے بچے کی محبت ان کے دل میں ڈال دی۔کہ ان کے محبوب شوہر کا بیٹا اور نورِ نظر تھا۔اوران کی نیک پارسا مومنہ کنیز ہاجرہ علیہا السلام کا لخت جگر تھا۔

حضرت سارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بچے کی عطا پر شکر گزار ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے لگیں۔اور بارگاہ رب کریم میں سجدہ شکر بجالائیں۔اوران کے دل کو اس سے نہایت سکون وتسلی نصیب ہوئی۔اوران کی روح اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم ہو کر روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کی احسان مند ہونے لگی۔

اور لڑکے کو دیکھنے کی مشتاق ہو کر دلی شوق سے حضرت ہاجرہ کے کمرے میں گئیں۔تو آپ نے سنا کہ آپ کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے تھے:۔

''پروردگار میں اس بچے کو اور	رَبِّ اِنِّیۡ اُعُوۡذُہٗ بِکَ
اس کی اولاد کو شیطان مردود	وَذُرِّیَّتَہٗ مِنَ الشَّیۡطٰنِ
سے تیری پناہ میں دیتا ہوں''۔	الرَّجِیۡمِ ؕ

حضرت سارہ علیہا السلام نے بچے کو نہایت پیار سے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا۔اور نہایت شفقت اور نرمی سے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔اورانہیں یاد آیا کہ اسی کے لئے ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے:۔

''رب کریم مجھے نیک بیٹا عطا	رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ
فرما''۔	الصّٰلِحِیۡنَ ☆

اللہ کریم نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔اور آپ کو بڑھاپے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سا حوصلہ مند بیٹا نصیب فرمایا۔

حضرت سارہ خاتون علیہا السلام اور دوسرے پیغمبر :

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے ۔ جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا کرتے تھے ۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب شدید سے بچنے کی دعوت دیتے رہتے ۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی پوری کوشش ہوتی کہ لوگ ہدایت پر آ جائیں ۔ اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کریں ۔ لیکن انہوں نے آپ کی دعوت کا مزاح اڑایا ۔ اور ہدایت سے دور بھاگتے رہے ۔ اور جتنا آپ ان کو سمجھاتے وہ اتنی ہی ان سے نفرت کرتے ۔ اور جب وہ لوگ آپ سے تنگ آ گئے ۔ تو آپ کی ہنسی اڑا کر کہنے لگے :۔

’’آپ اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آئیں اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں‘‘ ۔	اِئْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ☆

لیکن حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی ہدایت کی امید لگی ہوئی تھی ۔ اور آپ کو امید تھی ۔ کہ یہ لوگ ان خرابیوں سے باز آ جائیں گے ۔ اور خلاف فطرت کام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لیں گے ۔

لیکن قوم پوری طرح بدکاری کے شکنجے میں کسی ہوئی تھی ۔ الٹا انہوں نے سختی سے آپ کے خلاف محاذ بنا لیا اور آپس میں کہنے لگے ۔ کہ :

’’لوط اور اس کے ماننے والوں کو اپنی اس بستی سے نکال باہر کرو ۔ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں‘‘ ۔	اَخْرِجُوْآ اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ☆

لہٰذا جب حضرت لوط علیہ السلام ان کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے ۔ تو اللہ تعالیٰ

کی طرف متوجہ ہوکر عرض کرنے لگے:۔

"اے پروردگار اس فسادی قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما"۔ — رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ☆

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم اردن کے قریب سدوم شہر میں رہتے تھے۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس میں رہائش پذیر تھے۔اور وہیں اپنی دونوں بیویوں حضرت سارہ علیہا السلام اور ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کرتے رہتے تھے۔

اور یہ لوگ نہایت مہمان نواز تھے۔ہروقت مہمانوں کے منتظر رہتے۔کہ کوئی ان کے ہاں مہمان اترے تو یہ اس کی خاطر مدارات کریں۔اور خوب اس کا احترام واکرام کریں۔اس لئے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابو الضیفان (بابائے مہمان نوازی) کہتے تھے۔اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں پہلے شخص ہیں جنہوں مہمان نوازی کا طریقہ ایجاد کیا۔اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے روٹی اور گوشت کے شوربے سے ثرید تیار کیا۔اور لوگوں کو کھلایا۔اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مونچھیں منڈوائیں۔زیرناف کے بال کاٹے۔ختنہ کیا۔ناخن کاٹے۔مسواک کی۔بالوں میں مانگ نکالی۔کلی کی ناک میں پانی ڈالا۔اور پانی کے ساتھ استنجا کیا۔اور پہلے شخص ہیں جو ایک سو پچاس برس کی عمر میں جوان ہوئے۔اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابوالاضیاف بھی کہا جاتا تھا۔

انوکھے مہمان:

ایک دن سورج طلوع ہو رہا تھا۔اور اس کی شعاعیں بیت المقدس کی ہرچیز سے گلے مل رہی تھیں۔اور ابھی دن تھوڑا سا گزرا تھا۔کہ ابوالضیفان حضرت ابراہیم علیہ

السلام کو دور سے کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے۔آپ نے خیمے سے انہیں دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ ان مہمانوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

جب وہ لوگ خیمہ کے پاس پہنچے تو وہ تین آدمی تھے۔انہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کرانہیں سلام کیا۔حضرت نے انہیں سلام کا جواب دیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کوان کے سلام سے ایک گونہ روحانی سکون اور تسلی حاصل ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ یہ مہمان نہایت ہی حسین وجمیل ہیں۔خوش چہرہ اور تازہ رو ہیں۔ ان کے چہرے نورانی اور بارونق ہیں۔اور خیمہ ان کی موجودگی سے مہک گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔اور خیمے میں انہیں احترام سے بٹھایا۔اور آپ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ تاکہ ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کریں۔اور ان کے شایان شان رہنے کا بندوبست کریں۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑے کا تازہ بھنا ہوا گوشت ان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔اور یہ گوشت صحت مند جوان بچھڑے کا تھا۔جو آپ نے نہایت شوق سے پال رکھا تھا۔جس سے آپ کو بہت پیار تھا۔اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔آج آپ نے وہی محبوب وپسندیدہ بچھڑا ذبح کر کے اور نہایت اہتمام سے بھون کر ان مسافر مہمانوں کے سامنے لا رکھا تھا۔اور اپنے ہاتھ سے انہیں پیش کیا۔کہ تناول کریں۔اور خود بھی ان کے ساتھ کھانے کے لئے تیار ہو گئے۔

عظیم بشارت:

خیمے کے ایک کنارے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بوڑھی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام مہمانوں کی خدمت کے لئے تیار کھڑی تھیں۔جیسا کہ مہمان نوازی میں عربوں کا عام دستور ہے۔لیکن ان مہمانوں میں سے کسی نے کھانے کی طرف ہاتھ

بارش ہوئی ہے۔ کہ ہر پتھر پر ان میں ہر خطا کار ظالم کا نشان ہے۔ اور انہوں نے بتایا۔ کہ اس سلسلے میں حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے نصرت طلب کی ہے۔ کہ وہ اس فسادی قوم سے ان کی جان چھڑائیں۔ اب وہ اللہ تعالی کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کو آئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالی کی جانب سے انہیں حکم ہوتا ہے۔

کیا میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا ؟:

جب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام نے معزز فرشتوں سے بیٹے کی یہ خوشخبری سنی تو آپ حیرت زدہ رہ گئیں۔ اور ان کی چیخ نکل گئی۔ اور جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر تعجب سے کہنے لگیں۔ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ؕ کیا بوڑھی بانجھ کے ہاں لڑکا ہوگا؟

"میں بوڑھی ہوکر بچہ جنوں گی"؟ ءَ اَلِدُوَا اَنَا عَجُوْزٌ ؕ

ہائے میں امید سے ہونگی بچہ جنوں گی۔ اور اسے دودھ پلاؤں گی۔ اور میری عمر نوے برس کو پہنچ گئی ہے۔ اور میرے ہاں تو جوانی کے زمانے سے بھی کوئی بچہ نہیں ہوا۔ تفسیر ابن کثیر خازن)

آپ بار بار تعجب کا اظہار کر رہی تھیں۔ اور اس عجیب وغریب خوشخبری سے انہیں بہت حیرت ہو رہی تھی۔ کہ وہ تو عرصہ سے بے اولاد چلی آ رہی ہیں۔ اب تو اولاد کی بالکل کوئی امید نہیں رہ گئی تھی۔ اور آپ پھر فرشتوں سے پوچھنے لگیں۔

"کہ میں اس بڑھاپے میں بچہ جنوں گی"۔ يَاوَيْلَتَاۤ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ

☆

اور پھر طرفہ یہ کہ میرے شوہر بھی بہت بوڑھے ہیں۔ یہ تو بہت عجیب بات ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سارہ علیہا السلام کو لڑکا عطا ہونے کے بارے میں بات کی۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام شرما کر دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہوگئیں۔ اوران کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اپنے بارے میں کوئی ایسی تعجب انگیز خبر سن کر حیرت کا اظہار کرتی ہیں۔ اوراس وقت بچہ پیدا ہونے کی دو رکاوٹیں تھیں۔

۱۔ بڑھاپا

۲۔ بانجھ پن

کیونکہ آپ کے ہاں شروع عمر سے اب تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا۔ کہ یہ مہمان دعا دے رہے ہیں کہ آپ کو اللہ بیٹا دے۔

انہوں نے فرمایا ہم آپ کو دعا نہیں دے رہے۔ بلکہ حقیقتاً بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ اور یہ ہم نہیں کہہ رہے۔ بلکہ:

''تمہارے پروردگار نے ایسا فرمایا ہے''۔ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ

پھر ناممکن ہونے کے شک کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ:

''بلاشبہ وہ حکمت والا جاننے والا ہے''۔ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ☆

وہ اپنی حکمت سے سب کچھ کرتا ہے۔ اور ہر کام کو کرنا جانتا ہے۔ اس حیرت میں پڑ کر حضرت سارہ علیہ السلام کو یہ یاد نہ رہا کہ خوشخبری مالک ومختار کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس پر فرشتوں نے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ کیہ یہ سب قدرت خداوندی کے کام ہیں۔ جن میں کوئی روکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ لہذا حضرت سارہ علیہا السلام کی اس حیرت کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا:۔

''کیا تم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ قابل تعریف اور بزرگ ہیں''۔

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ☆﴿هود ۷۳﴾

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

کہ فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام کے تعجب پر حیرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ اس گھرانے میں رہ رہی تھیں۔ جہاں معجزات وخوارق عادات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حیرت انگیز واقعات کا مشاہدہ کرتی رہتی تھیں۔ اور انہیں عام عورتوں کی طرح اس خوشخبری پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ نبوت کے گھرانے کی ایک فرد تھیں۔ جن کے لئے ایسی باتیں کوئی انہونی باتیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ حیرت کی جگہ انہیں فوراً اللہ کا شکر گزار ہو کر اس کی حمد وثنا کرنی چاہیے تھی۔اس لئے فرشتوں نے انہیں کہا:۔

''کہ اے نبوت کے گھرانے والو! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں عام ہیں''۔

رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ☆

اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ کہ ایسے اعزاز واکرام تو تمہارے لئے ہوتے رہتے ہیں۔اور ایسے انعامات سے تو اللہ کریم تمہیں مرحمت ہوتے ہی رہتے ہیں۔اس پر تمہیں تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

اب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ معزز مہمان اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔اور یہ کہ وہ کس مہم پر بھیجے گئے ہیں۔اس موقعہ پر انہیں بیٹے کی خوشخبری پر خوشی ہوئی اور قوم لوط کی نافرمانیوں پر غصہ بھی آیا۔اور ان کی ہلاکت کی خبر

سن کر ہنس پڑیں۔ اور فرشتوں نے واضح الفاظ میں بیٹے اسحاق کی خوشخبری دی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

''تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی''۔	فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ☆ ﴿ھود : ۷۱﴾

اور یہی نہیں کہ انہیں بیٹے اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی۔ بلکہ اس کے بعد پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری بھی دی گئی۔ کہ وہ اپنی حیات ہی میں پوتے کی خوشی بھی دیکھیں گی۔ تم اس خوشی کی خبر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور سب غم فکر دور کر دو۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ اس بشارت اور بچے کی پیدائش میں ایک برس کا وقفہ تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت سارہ علیہا السلام کے کبھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور اب ان کے ہاں ننانوے برس کی عمر میں یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو برس تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا یہ لشکر اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ اب کفر کے اندھیروں کے لشکر کوچ کرنے والے تھے۔ اور سدوم کی تاریک فضاؤں پر صبح ہدایت طلوع ہونے والی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کہ ابھی سدوم زیر و زبر ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ چکا ہے۔ اور کفار اپنے کیفر کردار کو پہنچنے والے ہیں۔ اور قوم لوط علیہ السلام پہلی قوموں عاد و ثمود اور قوم نوح علیہ السلام کی طرح عبرت کا نشان بننے والی ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگ بڑے ظالم اور باغی تھے۔

اور صبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیرو

کاروں نے تباہی پھیلانے والے فرشتوں کو آتے دیکھا۔ سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اور نافرمانیوں کے کہ ان کو ان فرشتوں کی آمد کی ذرا بھر خبر نہ ہوئی۔ اور پھر ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اور وہ سب نیست و نابود کر دیئے گئے۔

اس موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین سجدے میں پڑ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرنے لگے۔ جس نے انہیں اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیا۔ اور وہ عذاب الٰہی سے بچ گئے۔

پیغمبر علیہ السلام کی والدہ محترمہ:

یہ اسحاق پیغمبر تھے۔ جنہیں اللہ کریم نے نبوت کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔ اور یہ حضرت سارہ خاتون تھیں جنہیں پیغمبر کی والدہ ہونے کے ناطے سے خاص مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اور اس سعادت عظیم پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہو کر رب العالمین کے ذکر میں مصروف رہتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان کثیر انعامات کو یاد کر کے خوش ہوتی رہتیں۔

آپ اس وقت کو یاد کرتیں جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے بیٹے کی خوش خبری سن کر اپنا ہاتھ چہرے پر مار کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ یہ یاد کر کے وہ لآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتیں اور اس پر خوش ہوتیں کہ اللہ کریم نے اپنے سچے وعدے کو پورا کر دکھایا ہے۔ او رانہیں اسحاق جیسا جلیل القدر بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اور جب سے ان کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوئے تھے وہ ہمہ وقت مسرور اور خوش دل رہتی تھیں۔ اور اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی۔ کہ ایک بانجھ عمر رسیدہ بڑھیا کے بیٹا پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حضرت سارہ خاتون علیہا السلام پر بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کا خاندان ان انعامات سے باغ باغ ہو رہا تھا۔ اور اس فرمان باری کا اظہار ہو رہا تھا:۔

رَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ☆ ''اے ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوتم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں''۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وسارہ علیہا السلام پر یہ انعام تھوڑا تھا کہ اس عمر میں اسحاق جیسا جلیل القدر پیغمبر بیٹا اور اس طرح کا قابل عظمت پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا ہوا تھا۔ اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں سلسلہ نبوت جاری رکھا تھا۔ اور حکمت و دانائی اس خانوادے کی وراثت قرار پائی تھی۔ اور اس خاندان کو تمام جہانوں کے لئے نور علی نور کر دیا تھا۔

اب حضرت سارہ بی بی بہت عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔ اور وہ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے قرب سے مانوس رہتیں۔ اور ان کا دل ان کی وجہ سے ہر وقت مسرور رہتا۔ اور وہ ہر لحظہ اللہ کریم کی حمد و ثنا میں رطب اللسان رہتیں۔ اور ان شعار تھا الحمد للّٰہ رب العلمین ☆

حضرت اسحاق علیہ السلام کے والدین نہایت بوڑھے ہو چکے تھے اور لوگ اس عجوبے پر حیران تھے۔

مشہور مورخین ابن عساکر ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے اور بڑے صاحبزادے تھے۔ جب حضرت سارہ خاتون کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو کنعانی لوگ کہنے لگے کہ تمہیں ان بوڑھے اور بڑھیا سے حیرت نہیں ہوتی ہے۔ جو کہیں گرا پڑا بچہ اٹھا لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ان کا بیٹا ہے۔ بھلا کیا ایسی بڑھیا بچہ پیدا کر سکتی ہے۔؟

تو اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی شکل و صورت ہو بہو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی بنا دی۔ کہ جو بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کو دیکھتا

بیٹا مرحمت فرمائیں گے۔ کیونکہ حضرت سارہ بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھیں۔ اور ابھی تک ان کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ مایوس ہو چکی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں دعا کر چکے تھے۔ کہ:

''اے پروردگار مجھے نیک بیٹا عطا فرما''۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ

☆

﴿الصافات : ۱۰۰﴾

اور دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو گئی اور حضرت ابراہیم بھی بوڑھے ہو گئے۔ اور حضرت سارہ تو بالکل اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ بی بی سے نکاح فرمایا۔ تو اللہ کریم نے انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام سا بیٹا عطا فرمایا۔

جب حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہا السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ علیہا السلام اس بات پر غمگین ہو گئیں۔ کہ وہ بیٹے کی نعمت سے محروم رہ گئیں۔ لیکن پھر انہوں نے اس معاملے کو مشیت باری کے سپرد کر دیا۔ اور اس راضی برضا رہنے کے صدقے میں اللہ کریم نے انہیں نہایت بڑھاپے کی حالت میں بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ اور اس بیٹے کو یہ اکرام بخشا کہ انہیں غلام حلیم کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ اور انہیں ان معزز ہستیوں (پیغمبروں) میں شامل فرما دیا۔ جنہیں اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور انہیں خوشخبری دی کہ وہ نبی ہونگے۔ اور نبی کے باپ ہونگے۔ اور یہ ان دونوں کے زمانہ نبوت کو دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ کہ آپ حضرت اسحاق علیہ اسلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا زمانہ نبوت بھی ملاحظہ فرمایا۔

بی بی میرے جنت میں چلی جانا:

ایک دن حضرت سارہ خاتون علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ ایک پاک ربانی ''صحیفہ'' بڑے ذوق وشوق سے تلاوت فرما رہی تھیں۔ اور آواز فرشتوں کی طرح نہایت پیاری اور دلآویز تھی جیسی آواز انہیں فرشتوں کی طرف سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کے موقع پر آئی تھی۔

اور آپ کی تلاوت کی یہ روحانی صدارات کے سناٹے میں تیرتی ہوئی جارہی تھی۔ اور دلوں کی گہرائیوں سے گزرتی ہوئی اس بارگاہ الٰہی تک پرواز کررہی تھی۔ جس نے ہر چیز کو حسن بخشا ہے۔ اسی دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام کے حق تعالیٰ سے یہ راز و نیاز سن رہے تھے۔ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام بھی بڑے دھیان سے یہ ملکوتی ترتیل اپنے کانوں میں اتار رہے تھے۔ کہ اسی دوران میں آپ جذبے سے اٹھے اور اپنی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاتھوں کو چومنے لگے۔ اور پھر اٹھ کر ان کے سر کا بھی بوسہ لیا۔

حضرت سارہ علیہا السلام صبح وشام اپنے پروردگار سے ہمراز ہوتیں۔ اور گوشہ نشین ہو کر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتیں۔ کیونکہ انہوں نے حق تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پایا تھا۔ اور وعدہ الٰہی کے مطابق اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت حمد وثناء الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ اور یاد الٰہی سے اپنے دل وجان کو مسرور رکھتیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں:۔

''اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی روحوں میں تازگی آتی ہے''۔	اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ☆

حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کی وفات:

عبادات واذکار کی انہی مصروفیتوں میں ان کی یہ پاکیزہ زندگی گزر رہی تھی۔ کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں یاد فرمالیا۔ اور اسی ذکر وتسبیح کے دوران میں انہیں موت کا

پیغام آ گیا۔ اور خلیل اللہ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور حکیم پیغمبر کی والدہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی دادی نے وفات پائی۔ اور ان کی روح پاک راضیہ مرضیہ ہو کر اپنے رب کریم سے جاملی۔ اور افق اعلیٰ کی رفعتوں سے صدا آئی:۔

''جا میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا۔ اور جنت میں چلی جا''۔	فَادْخُلِی فِی عِبَادِی وَادْخُلِی جَنَّتِی ☆

آخری منظر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں باپ بیٹا حضرت سارہ علیہا السلام کے جسم اطہر کو دیکھ رہے۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی ہیں۔ اور دونوں کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:۔

''ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں''۔	اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ☆

اور پھر کہتے ہیں:۔

''اور ہم تمہاری جدائی پر مغموم ہیں''۔	وَاِنَّا عَلٰی فِرَاقِکِ لَمَحْزُوْنُوْنَ ☆

اور آپ کا وصال اسی سرزمین پر ہوا۔ جس میں برکت دی گئی تھی۔ اور جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے زندگی کے دن گزارے تھے۔ اور یہیں ارض خلیل (فلسطین) میں اس جلیل القدر سیدہ طاہرہ حضرت سارہ خاتون کا جسد اطہر سپرد خاک ہوا۔

حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کا چشمہ (عین سارۃ):

شیخ عبدالغنی نابلسی اپنے سفرنامے میں لکھے ہیں ارض الخلیل میں ایک چشمہ ہے۔ جو

کرنے کے لئے اور اطاعت خداوندی کا سبق حاصل کرنے کے لئے کافی وشافی ہے۔

تو یہ ہیں حضرت سارہ خاتون جو ابو الانبیاء کی زوجہ محترمہ ہیں ہمارے لئے قابل نمونہ کیوں نہیں ہونگی ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ حضرت سارہ علیہا السلام سے راضی ہو گیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیں۔

''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْ سَارَۃَ وَاَرْضَاہُ''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ خاتون علیہا السلام

ام العرب:

شریف وسردار خاتون' نبی حلیم کی والدہ محترمہ اور جامع الصفات پیغمبر کی زوجہ محترمہ' سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن کے لئے باعث برکت خاتون' یہ محترمہ مامون مبارک تھیں۔ جس دن سے شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت کے قیام اور اجزاء نسل نبوت کے لئے بیٹے کے خواہش مند تھے۔ اوراس کے لئے آپ بارگاہ رب العزہ میں ظاہر اور پوشیدہ طور پر دعا کرتے رہتے تھے۔ کہ اللہ کریم انہیں صالح اولاد عطا فرمائے۔

انہی روحانی لمحات میں ایک لمحہ وہ بھی آ گیا۔ کہ عنایت الٰہی سے خوشی کا پیغام سات آسمانوں کے اوپر سے رحمت ربانی بن کر نازل ہوا۔ کہ آپ حضرت سارہ علیہ السلام کی کنیز حضرت ہاجرہ علیہ السلام سے عقد فرمالیں۔ اور حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں الہام ربانی القاء ہوا۔ کہ آپ اپنی کنیز ہاجرہ علیہا السلام کو اپنے پیارے شوہر خلیل الرحمٰن کی خدمت میں ہدیہ کردیں۔

اور یہ امر منشاء خداوندی سے طے ہو چکا تھا۔ کہ نیک خاندان کی یہ مہمان خاتون حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر کی والدہ قرار پائے۔ اور پورے عرب خاندانوں کے لئے اسے ماں کا درجہ حاصل ہو۔ اور پھر وہ اس امت کی ماں بن کر عالم میں نمایاں مقام حاصل کرے جس امت کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ منصب عطا ہوا ہے۔ کہ وہ ''خَیْرَ اُمَّۃٍ' کے لقب سے نوازی جائے۔ جس کا پودا تمام شہروں کی ماں مکہ مکرمہ میں بویا گیا۔ جس شجر کو اور اس کے آس پاس کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت بنا کر

ساری دنیا میں خاص امتیاز کا حامل قرار دیا۔اور تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیا۔تو یہ ہاجرہ علیہا السلام شریف ومعزز خاتون ام العرب کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئیں۔اور ایک بزرگ پیغمبر اور خلیل الرحمٰن کی زوجہ محترمہ اور ایک جلیل القدر پیغمبر اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کی والدہ محترمہ ہونے کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔

آئیں اب ہم کچھ لمحات مبارکہ اس خاتون محترم کے لئے وقف کرتے ہیں۔جس کو اللہ کریم نے مصر کے کافروں کے ہاں سے نکال کر اپنے فضل وکرم سے احسن مقام عطا فرمایا۔اور ان کی باتوں کو اطراف عالم میں گھر گھر پہنچا دیا۔اور دنیا کی تمام عورتوں کے لئے ان کی ذات گرامی میں نمونہ عمل رکھ دیا۔اور انہیں ہر فضیلت ومرتبہ سے نوازا۔جس سے دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب ہو سکے۔اور خاوند بیوی رحمت خداوندی کے سائے میں رضاء خداوندی کی سعادت حاصل کریں۔جس سے بنیادی طور پر دین کی سلامتی کے مواقع حاصل ہوں۔اور ان کی آخری صدا یہ ہو۔کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور نورانی راستہ:

مصر کی تمام یادیں حضرت ہاجرہ کے ذہن سے محو ہو گئیں اور ان کے دماغ کے ہر گوشے میں اپنے آقا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ سارہ خاتون کے لئے خلوص ومحبت کے جذبات ہی مرتسم ہو گئے۔سلام ہو اس مبارک وپاک خاندان پر جو ایمان کے پاکیزہ دھارے میں بہ رہا تھا۔اور پاک ومطہر زندگی گزار رہا تھا۔اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے آقاؤں کی خدمت بطریق احسن ادا کر رہی تھیں۔کہ انہیں ان کی حیات طیبہ میں ایک کامل نمونہ دکھائی دیتا تھا۔

حضرت سارہ علیہا السلام خوبرو اور شریف الطبع خاتون تھیں۔اور ان کا دل نیک جذبات سے بھرپور تھا۔اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی کچھ کم نہ تھیں۔وہ بھی نہایت

علیہا السلام پر اس کا رد عمل معلوم کرنے لگیں۔ آپ نے دیکھا کہ ہاجرہ خاتون ان کی ہر بات بخوبی سمجھ رہی ہیں۔ اور اسے گوش گزار کر رہی ہیں پھر اس کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام فرمانے لگیں۔

یہ معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔ اس طرح حضرت بی بی سارہ علیہا السلام ہاجرہ علیہا السلام خاتون کے دل میں ایمان کے بیج بوتی رہیں۔ اور یقین کے پودے اگاتی رہیں۔ اور ان کا دل بھی ان ایمانی اشارات کو قبول کرتا رہا۔ اور نور ایمان ہاجرہ علیہا السلام کے دل کو مسلسل منور کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت سارہ علیہا السلام توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہا السلام کی نبوت و رسالت کے بارے میں انہیں سمجھانے میں کامیاب ہوگئیں۔ اور انہیں بالکل یقین ہوگیا۔ کہ آپ رسول رب العالمین ہیں۔

اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے کچھ بندوں کو اپنا پیغام عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ جو لوگوں کو نیک کاموں پر جنت کی بشارت دیتے اور برے کاموں پر دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ اور لوگوں کو احکام خداوندی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بہانہ اور عذر کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ اور حضرت سارہ علیہ السلام نے انہیں یہ بھی بتا دیا۔ کہ بارگاہ الٰہی میں اپنے آپ کو کس طرح جھکاتے اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

حضرت سارہ علیہا السلام نے دیکھ لیا کہ حضرت بی بی ہاجرہ علیہا السلام ان کی ہر بات بخوبی سمجھ رہی ہیں اور ان کی یہ باتیں ان کے رگ و ریشے میں اتر رہی ہیں۔ اب ہاجرہ علیہا السلام کو اچھی طرح سے معلوم ہو چکا تھا۔ کہ نورانی کرنیں ان کے قلب و روح تک سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ اور وہ نیکی اور نور ہدایت کے سرچشمے کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ اور ان کی روح روحانی روشنی سے جگمگا اٹھی ہے۔

اس طرح انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دینی دعوت کو فوراً قبول کرلیا۔اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات کو غور سے سن کر اس پر ایمان لانے لگیں۔اور ایمان کے راستے پر چل کر دوسری تمام رسوم و عادات سے بیزار ہوگئیں۔اور پوری طرح نبوت کے گھرانے کی فرد بن گئیں اور مومنہ باللہ ہوکر روحانی ضیا پاشیوں سے نور علی نور ہوگئیں۔

اب حضرت ہاجرہ علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھیں۔کہ اللہ کریم نے بھی ان کے لئے رشد و ہدایت کو پسند کرلیا تھا۔اور انہیں اپنی عبادت کی توفیق بخش دی تھی۔ اور انہیں سیدھے راستے پر گامزن کردیا تھا۔جو قلب ابراہیمی علیہ السلام اور دین حنیف کی صورت میں دنیا میں آیا تھا۔

اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی اس توفیق الٰہی پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزار رہتی تھیں۔اور اس نعمت کی قدردانی میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔اب ان کے قلب و ذہن میں نئے پاکیزہ خیالات پیدا ہوگئے تھے۔اور اللہ تعالیٰ نے پورے مصر کو بت پرستی کی نجاستوں سے نکال کر خالص توحید کی طرف گامزن کردیا تھا۔اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گزرا تھا۔کہ وہ ایمان و یقین کے حوالے سے دنیا بھر کی عورتوں کے لئے قائد و پیشوا بن جائیں گی۔اور دنیا کی ان مشہور خواتین میں شمار ہونگی جو تاریخ میں نام پاتی ہیں۔اور دین و دنیا میں ایمان والوں کی قافلہ سالار ہوتی ہیں۔اور نہ انہیں یہ معلوم تھا۔کہ وہ ایک مبارک خاتون بننے والی ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص منصب کے لئے تیار کیا ہے۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن وہ جلیل القدر نبی کی بیوی اور اور ایک عظیم الشان پیغمبر کی ماں ہونے کا شرف حاصل کرنے والی ہیں۔یہ سب تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ جو ہر چیز سے باخبر ہے۔

یہ تو ظاہر ہے۔کہ حضرت سارہ علیہا السلام اور بی بی ہاجرہ علیہا السلام ایک دوسرے

سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام عبادت الٰہی کے راستے پر چل رہی تھیں۔ اور شرف کرامت میں آپ کے قدم آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ اور وہ سمجھتی تھیں کہ حکمت الٰہی کا فیضان روشنی کی صورت میں ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر رہا ہے۔ اور نور الٰہی کے چشمے ان کے قلب و نظر سے پھوٹ رہے ہیں۔

کیا خوش نصیب لمحے ہوتے ہیں جب انسان ایمان' عبادت اور مناجات کے سایہ میں نیکیوں کے بلند مراتب پر جا پہنچتا ہے۔

اے پروردگار مجھے صالح اولاد نصیب فرما:

ایک دن جب صبح مسکرا رہی تھی۔ اور ہدایت الٰہی کی نورانی کرنیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں روشنیاں پھیلا رہی تھیں۔ اور آپ بارگاہ الٰہی میں کھڑے دعا کر رہے تھے۔ اور گڑگڑا کر بارگاہ رب العزۃ میں عرض کر رہے تھے:۔

''پروردگار مجھے نیک اولاد عطا فرما''۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ☆

یعنی آپ اللہ کریم سے پاکیزہ نسل جاری رہنے کے لئے ایک نیک بیٹا مانگ رہے تھے۔

ادھر سارہ بی بی بھی نہایت خشوع و خضوع سے پروردگار سے سرگوشی اور راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا و مناجات سن رہی تھیں۔ اور ان کا بارگاہ خداوندی میں گڑگڑانا ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ کہ آپ کے دل میں غم واندوہ کا ایک کانٹا سا چبھ گیا۔ اور وہ سوچنے لگیں۔ کہ میں تو اب بہت بوڑھی اور بانجھ ہو چکی ہوں۔ اور میرے شوہر بھی نہایت سن رسیدہ ہو چکے ہیں۔ اب بیٹا پیدا ہونے کی گنجائش کہاں رہ گئی ہے۔ اور یہ سوچ سوچ کر غم ناک ہو رہی تھیں۔ کہ میرے پیارے شوہر کو بیٹے کی انتہائی تمنا ہے۔ تاکہ ان کی یہ پاک نسل جاری رہ سکے۔ لہٰذا بی

بی سارہ نے نہایت عاجزی کے ساتھ امید بھری نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے شوہر کی مراد بر آنے کی امید میں رحمت خداوندی سے امید لگائے ہوئے تھیں۔ کہ ان کے شوہر کو اللہ کریم کی طرف سے وارث عطا ہو۔ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دن رات بیٹے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کر رہے تھے۔ کہ ایک دن آپ کو بشارت ربانی پہنچ گئی۔ جس سے آپ کی امید کے گلشن میں بہار آ گئی۔

ایک دن سارہ علیہا السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے گھر میں داخل ہوئیں۔ تو انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری کر رہی ہیں۔ اور دعا و مناجات میں مصروف ہیں۔ اور آپ کے چہرے پر نور ایمان ہے۔

حضرت سارہ علیہا السلام وہاں کھڑی ہو کر اس مصری خاتون کو دیکھنے لگیں جسے تقدیر الٰہی نے بیت المقدس میں لا ڈالا تھا۔ حضرت سارہ علیہا السلام خاموش کھڑی انہیں دیکھتی رہیں۔ اور کوئی حرکت نہیں کی جس سے ان کی موجودگی کا حضرت ہاجرہ کو علم ہو سکے۔ تا کہ ان مناجات و دعا میں کوئی خلل نہ پڑے۔

اس نازک موقع پر حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ اور خیال کبھی کبھی الہام اور وحی کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ کہ کیوں نہ یہ کنیز جسے مصر کے جابر بادشاہ نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اسے اپنے محبوب شوہر کی خدمت پیش کر دے۔ چونکہ یہ خاتون نوجوان صحت مند ہے۔ اس سے اللہ کریم میرے شوہر کی دیرینہ تمنا پوری کر دے اور اس سے اللہ کریم ہمیں نیک و صالح بیٹا ارزاں فرما دے۔

بس یہ خیال حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں جاگزین ہو گیا۔ جیسا کہ کوئی اکلوتا بچہ اپنی ماں کے سینے سے چمٹ جاتا ہے۔ اور یہ سوچتے ہوئے حضرت سارہ علیہا

السلام شفقت اور محبت سے ہاجرہ علیہا السلام کو دیکھتی رہیں۔ اور ان کے دل میں یہ جذبہ ایسا پختہ ہوا۔ کہ انہوں نے قصد کر لیا۔ کہ جتنی جلدی ہو سکے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دے۔ اور حضرت ہاجرہ کو اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے کا یہ خیال و ارادہ الہام ربانی تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں القاء ہوا تھا۔ اور ان کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز آ رہی تھی۔ کہ سارہ اسی میں خیر ہے۔ شاید اس لڑکی کے ذریعے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی نعمت نصیب ہو۔ اور تمہارا یہ عمل تمہارے لئے اخروی سعادت کا ذریعہ بن جائے۔

اس خیال سے حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنے قلب میں ایک خاص راحت اور ٹھنڈک محسوس کی۔ اور سرور کی ایک لہر ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی۔ اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اس پر حضرت ہاجرہ ہر خیر و عزت کی حق دار ہے۔

اور یہ جذبات و احساسات حضرت سارہ علیہا السلام میں اس وقت بھی پیدا ہوتے تھے۔ جب وہ صبح نور کے تڑکے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہوتیں۔ اور ان کا شعور بیدا ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نور میں ڈوبی ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات ان پر روشنیاں بکھیر رہے ہوتے۔ اور وہ تصرفات الٰہی سے صدق و وفا کا پیکر بنی ہوتیں۔

اب اللہ کریم نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ اپنا یہ تمام فضل و کرم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپ نماز پڑھتیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن رہتیں۔ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں لگی رہتیں۔ گویا انہوں نے حلاوۃ ایمان کا مزا چکھ لیا تھا۔ اور اپنی ذات کو اللہ رب العزۃ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اب انہیں ایمان و یقین کے راستے پر چلنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ ان کی آنکھیں روشن ہو گئی تھیں۔ اور دل نور بصیرت سے منور ہو چکا تھا۔ اب وہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس کے ساتھ لو لگائے ہوئے تھیں۔ اور ان کا ناطہ اللہ تعالیٰ سے جڑ گیا تھا۔ اور وہ ذات الٰہی میں فنا ہو چکی تھیں۔ اور وہ تمام ناز و نعم ان کے شعور سے محو ہو چکے تھے۔ جن کی لذت

وہ شاہی محل میں حاصل کر چکی تھیں۔

روحانی نازونعم:

اب وہ عشق الٰہی کی حقیقی لذت سے آشنا ہو چکی تھیں۔ وہ لازوال نعمتیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ اور جس سے ابرار و متقین بلند مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ اب وہ روحانی طور پر آسمانی رفعتوں پر پرواز کر رہی تھیں۔ اور بصیرت کی آنکھوں سے عالم بالا کی بزرگیاں ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ اور یہ تمام کمالات انہیں ملت ابراہیمی علیہ السلام پر عمل پیرا ہونے سے اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کے صدقہ میں حاصل ہوئے تھے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْعَظِيْمُ ☆

''اور اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص انعام تھا''۔

اور اس سے پہلے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ بچشم خود دیکھ چکی تھیں۔ کہ ان کی آنکھوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتے ہوئے بڑے الاؤ میں پھینکا گیا۔ اور آگ کا یہ طوفان آپ کے لئے گل و گلزار اور باغ و بہار بن گیا۔ یعنی فوراً آگ کو حکم ہوا:۔

كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ☆

''کہ اے آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک بن جا''۔

اور اللہ کریم نے کمال شفقت سے فرمایا:۔

سَلٰمٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ☆

''کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے رب العالمین کی جانب سے سلام ہے''۔

کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کو اور اپنی خواہشات کو خدائے کریم کی منشا کے تابع کر لیا

تھا۔

لِاَنَّهٗ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ☆

اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی۔ جانب سے ڈالی گئی ہر ذمہ داری پوری کی۔ اور ذات باری کی معرفت میں کمال حاصل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ہم تیرے بعد تیری ذریت کو اس زمین کا وارث بنائیں گے۔ اور نبوت و رسالت کی وراثت بھی تمہاری اولاد کے لئے جاری ساری رکھیں گے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کا اقرار کیا۔ اور فرمایا:۔

هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ☆ وَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ☆

''کہ یہ میرے پروردگار کی رحمت اور فضل ہے''۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذریت پر اس انعام کی خوشخبری اپنی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کو سنائی تو ان کا چہرہ جوش مسرت سے کھلکھلا اٹھا۔ اور ان کی روح خوشی سے ہواؤں میں اڑنے لگی اور رحمت الٰہی کے نورانی فواروں نے ان کے قلب ونظر کو معطرو پرانوار کر دیا۔ اور رحمت ربانی نے انہیں خاص گویائی بخشی جس نے دنیا کی ہر مخلوق کو بولنے پر قادر کر دیا۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگیں۔ کہ اس نیک خاتون ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لے لیں پھر اللہ کریم سے امید ہے۔ کہ ان سے آپ کو صالح بیٹا عطا فرما دے۔

سبحان اللہ! حضرت سارہ نے کیا ہی اچھی اور سچے کی بات کہی۔ اور یہ ایسی قربانی اور جذبہ ہے۔ جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ کہ کوئی عورت حق زوجیت اپنے خاوند کے لئے کسی دوسری عورت کو سپرد کر دے۔ اور خاوند بھی وہ جسے وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہو۔

سیادت بخشی نہ بلکہ تمام مشرق و مغرب کا آپ کو مالک و مختار بنا دیا۔ اور اولین و آخرین سے بڑھ کر آپ کو علم کی دولت سے نوازا۔ اور علم نافع کے ساتھ عمل صالح بھی آپ کو عطا فرمایا۔ جو اس سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ آپ کی نوبت سب نبیوں سے بڑھ کر اور آپ کی رسالت تمام رسولوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور آپ کی دعوت و نبوت تمام کائنات کے لئے ہے۔ اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش:

اب وہ روز سعید بھی آ گیا۔ کہ نور ربانی نے اس دنیا کو روشن کر دیا۔ اور مولود مسعود کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ایک صحت مند خوبصورت بچے کو جنم دیا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی برس تھی۔ جیسا کہ تواریخ و سیر کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اور آپ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اگر چہ کمزور ہو چکے تھے۔ لیکن بزرگانہ شان و شوکت اور رعب بہت تھا۔ اور یہ بڑھاپا آپ کے لئے عزت و وقار کا باعث تھا۔ آپ کی آنکھوں میں ایک دلکش چمک تھی۔ جو دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی تھی۔ اور لوگ آپ کی جلالت قدر سے متاثر ہو جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؑ و ہاجرہؑ سجدے میں گر گئے:

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام سب سجدے میں گر گئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے۔ ہم سب اس رب قدیر کے شکر گزار ہیں۔ جس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ہمیں اس نعمت سے نوازا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرنے لگے۔

''اے اللہ کریم میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں''۔

رَبِّ اِنِّیٓ اُعِیۡذُہٗ وَذُرِّیَّتَہٗ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ☆

اور حضرت ہاجرہ بی بی علیہا السلام بھی اللہ تعالٰی کے اس احسان پر دن رات اللہ تعالٰی کی عبادت گزاری میں مصروف رہتیں۔ اور اس نعمت کبریٰ کا شکر یہ ادا کرتیں۔ اور یہ اللہ کریم نے ان پر یہ خاص احسان فرمایا۔ اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت کے لئے چن کر اوران کی ذریت کو پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔

اللہ کریم نے انہیں دنیا میں یہ بھلائی بخشی کہ انہیں ایک حلیم نبی کی ماں ہونے کا شرف بخشا۔ اور جلیل القدر نبی مکرم کی زوجہ ہونے کے شرف سے بھی نوازا۔ بعدان سے یہ وعدہ بھی پورا کر دیا۔ کہ انہیں مشرق ومغرب کی سرداری عطا کر کے خاصا شرف بخشا۔

اور آخرت میں بھی انہیں خاص اعزاز بخشیں گے۔ کہ وہ ان صابرین میں شامل ہونگی۔ جن سے اللہ کریم نے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ اور جنت میں گدیلوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہونگے۔ اور جہاں سردی گرمی کا احساس بالکل نہ ہوگا۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام ام القریٰ (مکہ معظّمہ) میں :

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بچپن کے ابتدائی دن حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بچے کی ولادت کے بعد ابتدائی بڑے نازونعم اور آرام سے گزارے۔ کہ بچے کو دیکھ دیکھ آنکھیں ٹھنڈی کرتیں۔ اور باغ باغ ہوتیں۔ اور وہ بھی بچے پر ماں کی مامتا کا پورا پیار اور شفقت نچھاور کرتیں۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دیکھ لیا کہ اس بچے کے بارے میں ان کی دعا قبول ہوئی۔ اور انہوں نے یقین کر لیا۔ کہ اس میں اللہ کریم کی طرف سے دو

بشارتیں ہیں۔

پہلی خوشخبری ولادت سے پہلے یہ ہوئی کہ بشارت غلاماً ز کیا فرمایا گیا۔ کہ وہ ذہین و ہوش مند بچہ لڑکا ہوگا۔ جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل باغ باغ ہوگیا۔

دوسری ولادت کے بعد یہ خوشخبری کے وہ مرد کامل عمر دراز ہوگا۔ کہ ذہانت ہوش مندی حلم و حوصلہ مردوں کی صفات ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حلم انبیاء علیہم السلام کی صفات کمالیہ میں ایک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صفت حلم ہر فلاح و خیر کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اور تمام فضائل اور کمالات علم و تقویٰ کی اصل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حلم سے بڑھ کر انسانوں کو شرف بخشنے والی کوئی نہیں سنی۔

حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام:

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ فطری طور پر حضرت سارہ کے دل میں غیرت و رشک کی کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ اور اپنی موت کے ساتھ زندگی گزارنی ان کو کٹھن لگنے لگی۔ اور یہ جذبہ دن بدن بڑھتا گیا۔

حضرت سارہ علیہا السلام صدیقہ کا دل حضرت ہاجرہ اور ان کے لڑکے کے لئے نہایت پاکیزہ جذبات و احساسات کا حامل تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ پروان چڑھی تھیں۔ اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ یہ دنیا اور اس کی زیب و زینت چند روز ہے۔ اور جو کچھ اللہ پاک کے ہاں میسر ہے وہ نیکوکاروں کے لئے بہتر ہے۔ مگر یہ سب حکمت الٰہی اور امر ربانی تھا۔ کہ وہ رشک رقابت میں مبتلا ہوگئیں۔ اور اللہ کریم کی حکمتوں کو خود خدائے علیم و خبیر ہی سمجھتا ہے۔

حضرت نے یہ مطالبہ کردیا۔ کہ حضرت ہاجرہ کو یہاں سے کہیں لے جائیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہا السلام کو خدا کا واسطہ دیا۔ کہ انہیں کہیں اور بھیج دیں۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت خلیل الرحمٰن کی زوجہ محترمہ سارہ

حضرت اسماعیل کو ہمراہ لو اور ایک مبارک زمین کی طرف روانہ ہو جاو۔ اور یہ علاقہ جس کو اللہ کریم اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازنا چاہتے تھے۔ ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی سرزمین تھی۔

حضرت امام صاوی تفسیر جلالین کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا۔ کہ وہ ماں بیٹے کو مکہ کی طرف لے جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص سواری ''براق'' ان کے لئے مہیا کی گئی جس پر آپ حضرت ہاجرہ و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو لے کر سوار ہوئے۔ اور وادی بے آب و گیاہ کی طرف چل پڑے۔

بے آب و گیاہ وادی:

لہٰذا حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اس ویران و سنسان وادی میں جس میں سبزہ و پانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا آکر اترے۔ جہاں نہ درخت کا سایہ اور نہ زندگی کی اور کوئی علامت موجود تھی۔ گویا کہ اس وادی میں اکیلے رب العزۃ کی ذات کے سوا کوئی سہارا نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اسی ویرانے میں کلمہ حق بلند کرنا منظور تھا۔ اور نور کامل کا یہیں ظہور ہونا تھا۔ اور مشیت الٰہی کو یہیں ثابت ہونا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچے کو شفقت بھری نظروں سے دیکھا۔ کہ انہیں ان کو یہیں اکیلے چھوڑ کر واپس جانا ہے۔ اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ جسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔

اللہ کریم ہمیں ضائع نہیں کرے گا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اس کے دودھ پیتے بچے کو کعبۃ اللہ کے پاس اتارا۔ اور ایک تھیلا جس میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا۔ ان کے پاس رکھا۔ اور انہیں اللہ رب العالمین کے سپرد کر کے واپس

بیت المقدس کو چل دیئے۔ تو حضرت ہاجرہ نے کہا۔ یا ابراہیم علیہ السلام ہمیں اس ویران وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ جہاں کوئی انسان اور نہ کوئی دوسری چیز ہے۔ تو آپ نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کون ٹال سکتا ہے۔ حضرت ہاجرہ بی بی تھوڑی دور تک دوڑتی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے گئیں۔ اور کہنے لگیں ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو۔

حکم ربی کی وجہ سے پلٹ کر نہیں دیکھا:

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اور اپنے خالق و مالک کی طرف بڑھتے چلے گئے کہ یہی منشاء خداوندی تھی۔

اَیۡنَ تَتۡرُکُنَا یَا اِبۡرَاھِیۡمُ ☆ ”پیارے ابراہیم علیہ السلام ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہو؟“

حضرت بی بی ہاجرہ نے کئی بار پکار کر کہا۔ ابراہیم علیہ السلام ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منشاء الٰہی کی تعمیل میں ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور برابر آگے بڑھتے گئے۔

ذرا تصور کرو۔ کہ ایک کمزور عورت اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ اس چٹیل اور ویران میدان اور لق دق صحرا میں یکہ و تنہا ہے۔ اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں۔ اور اللہ کریم کے سوائے اس کا کوئی سہارا نہیں۔ اور ایسے ویرانے میں جہاں نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو اور کوئی مونس و غم گسار نہیں ہے۔ اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔

اب کیا کرے۔ کدھر جائے۔ گزران کی کیا صورت ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کب آئیں گے۔ اور وہ کیوں ہمیں ماں بیٹے کو یکہ و تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہیں بہت سے سوالات تھے جو بار بار حضرت ہاجرہ کے دل میں اٹھ رہے تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ امر ربی ہو کر رہنا ہے۔اور حکمت الٰہی یہی ہے۔اسی لئے تو انہوں نے حضرت ہاجرہ بی بی کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔کیونکہ نور ربانی سے آپ کا دل روشن تھا۔اور ان کا دھیان اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف تھا۔اور انہیں یقین کامل تھا۔اللہ کریم کے ہر کام میں حکمت ہے۔اور وہ بہتر کرے گا۔

پیارے ابراہیم علیہ السلام کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟

آخر میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پوچھا پیارے ابراہیم علیہ السلام! کیا اللہ کریم نے یہ حکم آپ کو دیا ہے؟ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ہاں! یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو سکون ہو گیا۔اور نورانی اطمینان ان کے جسم و جان میں سرایت کر گیا۔اگر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔کہ ویران وادی میں مجھے بچے کو چھوڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر اور میرے بچے پر کوئی خاص انعام ہی کرنا چاہتا ہے۔اس دردناک موقع پر مطمئن ہو کر اور پر یقین اعتقاد کے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا۔اب ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔اور یہ بات انہوں نے پورے ایمانی اعتماد اور عارفانہ یقین سے کہی۔اللہ اکبر کیا پر عظمت ایمان ہے۔جو بندوں کی روحوں میں شامل ہو انہیں نور کامل اور مبارک راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔

اب حضرت ہاجرہ کی گھبراہٹ جاتی رہی۔اور سب وحشت و پریشانی دور ہو گئی۔اور ان کا دل امن و سلامتی کا منبع بن گیا۔اور آپ بیت اللہ شریف کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔اور انہوں نے یقین کر لیا۔کہ ان کے شوہر اور بیٹا اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے منظور نظر ہیں۔اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کا منظور نظر ہو جائے۔اسے کوئی غم و فکر نہیں ہوتا۔اور پر سکون ہو گئیں۔اور انہوں نے دوبارہ اپنے دل سے کہا۔کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔لہٰذا آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکار کر کہا۔پیارے

ابراہیم علیہ السلام اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ تو جایئے ہمارا اللہ مالک ہے۔ اللہ اکبر کیا توکل ہے۔ اور یہ ایک مثالی بیوی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اپنے شوہر کی خدمت گزاری میں صدق ایمان عظمت یقین توکل علی اللہ کا بھرپور مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اور ان کے یہ کلمات یقین کامل کے مظہر ہیں۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم ہے؟ اور ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ تو پیارے ابراہیم علیہ السلام آپ جائیں ہمارا اللہ مالک ہے۔ وہ ہمیں دربدر نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے پلٹتے ہوئے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے جہاں حضرت ہاجرہ اور بیٹا ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ تو آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھائے اور دعا مانگی۔

"اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں، تیری عزت و ادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ پروردگار تاکہ یہ نمازیں پڑھیں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ وہ ان کی طرف جھکے رہیں اور انہیں میوں سے روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر کریں"۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ☆

﴿سورہ ابراھیم :۳۷﴾

حضرت ہاجرہ بی بی کی کرامت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور بیٹے کو اس خالی صحرا میں چھوڑا۔ اور

خود واپس وطن کو چل دیئے تاکہ تکمیل کار نبوت و رسالت میں مصروف ہو جائیں۔ اور احکام خداوندی کے لوگوں تک پہنچانے کے لئے جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی۔ اس کی تکمیل کریں۔ حضرت ہاجرہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دودھ پلا رہی تھیں۔ اور ساتھ ساتھ آس پاس کے ماحول اور آسمان کو دیکھے جا رہی تھیں۔ اور انہیں ہر طرف صحرا اور پہاڑ اور صحرا میں ریت کا موجیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا۔ اور ہر طرف ویرانی ہی ویرانی دکھائی دے رہی تھی۔ اور ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ حتیٰ کہ ان کی سوچیں بھی ایک مقام پر ٹھہر گئی تھیں۔ اور انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

اب حضرت ہاجرہ تھیلے سے کھجوریں نکال کر کھاتی اور مشکیزے سے پانی پیتیں آخر کار پانی بھی ختم ہو گیا تھا۔ اب انہیں پیاس نے ستایا اور بیٹا بھی پیاس سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اوپر سے دھوپ کی شدت پیاس میں اور اضافہ کر رہی تھی۔

جب حضرت ہاجرہ نے بچے کو بھوک پیاس سے یوں لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو ان کے اندر تو جیسے ایک آگ سی لگ گئی۔ اور ان کے حواس باختہ ہو گئے اور وہ اپنے پیارے اکلوتے لخت جگر کو یوں لوٹ پوٹ ہوتے نہ دیکھ سکیں۔ کہ وہ کلی کی طرح کملایا جا رہا ہے۔ اور بھوک پیاس کی شدت سے روئے جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بی بی ہاجرہ کا دل پھٹنے لگا۔ یہ بہت کٹھن اور مشکل گھڑی تھی۔ لیکن چونکہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہو جاتی ہے۔

حضرت اسماعیل مسلسل روئے جا رہے تھے تو اپنے بچے کو ایک پتھر کی اوٹ میں لٹا کر حضرت ہاجرہ ادھر ادھر پانی کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ تو آپ پانی کی تلاش میں ایک ٹیلے پر آئیں جس کا نام صفا تھا۔ اور یہ وہاں سے قریبی پہاڑ تھا۔ تو آپ جلدی سے دوڑتی ہوئی وہاں تک گئیں اور صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں اور اوپر جا کر ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید کوئی انسان نظر آ جائے۔ لیکن وہاں کون تھا۔ جو نظر آتا۔ ویراں اور بے آباد صحرا اور پہاڑیوں کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ پھر آپ تھکے ہوئے اور ماندہ شخص

کی طرح چلتی ہوئی نیچے وادی میں آئیں۔اور وہاں چلتی ہوئی دوسری پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اور اوپر کھڑی ہو کر آس پاس نظر دوڑائی لیکن کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔

اس طرح حضرت ہاجرہ ان دو پہاڑیوں (صفا و مروہ) کے درمیان اسی پریشانی کی حالت میں سات بار ادھر ادھر دوڑیں۔اور کسی سہارے کی تلاش میں رہیں کہ بچہ کو پیاس کی سختی سے نجات دلا سکیں۔اس دردناک اور مشکل گھڑی میں حضرت ہاجرہ کے دل میں اور کچھ نہ سوجھا۔تو اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں فریاد کرنے لگیں۔اللہ کریم نے ان کی قدردانی کے لئے ان کی اس پریشانی اور صفا و مروہ کے درمیان سراسیمگی کی حالت میں دوڑنے کو یہ امتیاز بخشا کہ دنیا کے کروڑوں اربوں مومنوں کو ہمیشہ کے لئے صفا و مروہ کے دوڑنے کا پابند کر دیا۔اور صفا و مروہ کے درمیان سعی (دوڑنے) کو قبولیت حج کی شرط قرار دیا۔اب ہر مسلمان حاجی بادشاہ ہو فقیر' آزاد ہو غلام' عربی ہو یا عجمی سب صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے پابند ہیں۔وہی حضرت ہاجرہ کی سعی کی برکت کو قائم و یادگار بنانے کے لئے قیامت تک اس طرح لوگ وہاں دوڑتے رہیں گے۔

چشمہ زمزم:

آخری بار جب حضرت ہاجرہ ''صفا مروہ'' پر چڑھیں تو آپ نے ایک آواز سنی۔تو آپ خود سے کہنے لگیں ''صبــــــہ'' خاموش! پھر آواز پر کان لگائے تو پھر آپ کو ہی آواز سنائی دی۔تو آپ نے آواز طرف رخ کر کے فرمایا۔کیا تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو۔جب آپ اپنے بیٹے کی طرف گئیں تو موجودہ زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا تھا۔اور جہاں بچے نے ایڑیاں رگڑی تھیں وہاں پر ایک چشمہ جاری تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ خوشی سے ہوا میں اڑنے لگیں۔اور مسرت سے پانی میں جا کر اسے اپنے مشکیزے میں پانی بھرنے لگیں۔پانی تھا کہ برابر ابلتا آ رہا تھا۔

اس منظر کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت شفقت سے ذکر فرمایا ہے۔اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''اللہ کریم ام اسماعیل حضرت	یَرْحَمُ اللّٰہُ اُمُّ اِسْمٰعِیْلَ
ہاجرہ پر رحم فرمائے۔اگر وہ زمزم	لَوْتَرَکَتْ زَمْزَمَ اَوْقَالَ لَوْلَمْ
کو یوں ہی چھوڑ دیتیں اور اس	تَغْرِفْ مِنَ الْمَآءِ لَکَانَتْ
پر بندھ نہ باندھتیں تو یہ چشمہ	زَمْزَمُ عَیْنًا مَعِیْنًا

ہمیشہ کے لئے بہتا رہتا''۔

کسی شاعر نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجَعَلَتْ تَبْنِیْ صَفَائِحًا لَوْتَرَکْتُہٗ کَانَ مَآءً سَافِحًا

''اگر حضرت ہاجرہ اس چشمے پر پتھروں کی باڑ نہ لگاتیں تو وہ چشمے کی طرح بہتا رہتا''۔

حضرت ہاجرہ نے سیر ہو کر پانی پیا۔پھر بچے کو دودھ دیا۔اس وقت فرشتے نے زمزم کے پاس سے پکارا تم اب اپنے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔یہ بیت اللہ شریف جائے امن ہے جسے یہ بچہ اور اس کے والد دوبارہ تعمیر کریں گے۔اور اللہ کریم اپنوں کو دربدر نہیں کرتا۔

حضرت ہاجرہ یہ خوشخبری سن کر ہشاش بشاش ہو گئیں۔کہ اللہ کریم نے انہیں اپنے گھر کے سایہ میں لا بٹھایا ہے۔اللہ کا یہ قدیم گھر جسے اللہ پاک نے بابرکت بنایا ہے۔اور جسے اس کے شوہر خلیل الرحمٰن اور لخت جگر حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نئے سرے سے تعمیر کریں گے۔

حضرت ہاجرہ خاتون کے لئے یہ بڑی خوشگوار خبر تھی۔کہ وہ اس پاک اور مبارک سر زمین میں زندگی گزاریں گی۔جس پاکیزہ خطے کو اللہ پاک نے جائے امن اور ذریعہ ثواب بنایا ہے۔جو ساری دنیا کے لئے باعث برکت ہے۔واقعی یہ ان پر اللہ کریم کا بڑا فضل وانعام تھا۔

حضرت ہاجرہ اور آب زمزم:

بیت اللہ شریف کے اس مبارک قطعہ سر زمین پر اسی چھوٹے سے خاندان کو بسانا اللہ کریم کی مشیت میں تھا۔ جو حضرت ہاجرہ اور ان کے پیارے لخت جگر پر مشتمل تھا۔ اب وہی زمزم لوگوں کے اجتماع کا مرکز بن گیا۔ اور لوگ کھچے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ حضرت ہاجرہ کا وہاں کیا آنا تھا۔ کہ پوری وادی زندگی کے آثار سے معمور ہوگئی۔ اور چٹیل صحرا میں زندگی کی بہار آ گئی۔

یہ کنواں خاص حضرت ہاجرہ کی ملکیت تھا۔ کسی دوسرے کا اس میں اجارہ نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے اعلان کر دیا کہ سب کے لئے اس کنوئیں کا فیض عام ہے۔ ہر کوئی اس چشمے سے مستفید ہوسکتا ہے۔ کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔

قبیلہ بنی جرھم کی آمد:

ہوا یوں کے ادھر سے ایک قبیلہ بنی جرھم کے لوگوں کا گزر ہوا۔ انہوں نے دور سے دیکھا۔ کہ فضا میں پرندے گھوم رہے ہیں تو انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ کہ برسوں سے ہمارا ادھر سے گزر ہوتا ہے۔ کبھی ہم نے یہاں پانی کی بوند نہیں دیکھی۔ انہوں نے اس طرف اپنا ایک آدمی بھیج کر معلوم کیا۔ کہ کیا معاملہ ہے۔ تفتیش کرنے والے نے وادی کی طرف آکر دیکھا تو ایک ٹیلے کی اوٹ میں چشمہ زمزم موجود پایا۔ اور دیکھا کہ حضرت ہاجرہ چشمے کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ بنو جرھم کے قاصد نے ان سے عرض کیا۔ کہ آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے بال بچوں سمیت اس چشمے کے پاس رہ پڑیں۔ تو آپ نے خوش آمدید کہتے ہوئے انہیں وہاں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ تم اس چشمے سے فیض یاب ہو سکتے ہو۔ لیکن اس کی ملکیت میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور قبیلہ جرھم کے یہ لوگ اپنے بال بچوں بھیڑ بکریوں اونٹوں سمیت آکر وہاں رہ پڑے۔ اور چشمہ زمزم کے آس پاس انہوں نے ڈیرے ڈال لئے۔ اور ہر طرف

مردوں عورتوں اور بچوں کی رونق اور آبادی ہوگئی۔ اور ہر طرف زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اور وہ وادی جس میں زندگی کوئی امن تک نہیں تھی۔ اور سبزہ اور پانی کا نام ونشان نہیں تھا۔ اور وہاں کوئی مونس غمگسار نہیں تھا۔ اب وہاں زندگی بھی زندگی تھی۔ اور وہاں آسمان اور زمین سے برکات کے سوتے پھوٹنے لگے۔

اب ہاجرہ دل و جان سے رب کریم کی شکرگزار تھیں۔ اور اپنے اور بچے کے اس اکرام ربانی پر اللہ تعالی کی حمدوثنا میں رطب اللسان تھیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ہاجرہؑ کا قصہ بیان فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالی نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکہ کی جانب لے جانے کا حکم دیا اور آپ انہیں بے آب و گیاہ وادی میں یکہ وتنہا چھوڑ آئے۔ تو واپسی پر آپ نے ایک پہاڑی کی اوٹ میں کھڑے ہوکر عاجزی سے بارگاہ الہی میں دعا فرمائی:۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کے سلسلے میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ آپ نے دعا فرمائی:۔

”اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت و ادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ پروردگار! تا کہ یہ نمازیں پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ اس کی طرف جھکے رہیں۔ اور انہیں میووں سے روزی دے ۔تا کہ وہ تیرا شکر کریں“۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ☆

﴿سورہ ابراھیم : آیت ۳۷﴾

قرآن کریم میں اس واقعہ کے بارے میں اسی قدر تذکرہ ہے۔لیکن حدیث نبوی شریف میں اس اجمال کی پوری تفصیل موجود ہے۔لہذا صحیح بخاری شریف میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:۔

کہ سب سے پہلے عورتوں میں کمر بند کا استعمال حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا۔ تا کہ حضرت سارہ علیہا السلام کے لئے خدمت گاری کا اظہار ہو۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور دودھ پیتے بچے کو لے کر بیت اللہ کے پاس آ گئے۔اور ایک درخت کے نیچے چشمہ زمزم کے مقام کے عین اوپر بٹھا دیا۔جبکہ ان دنوں مکہ میں کچھ بھی نہ تھا۔نہ پانی نہ کچھ اور اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔اور انہیں وہاں یکہ تنہا اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے واپس لوٹ آئے۔جس پر حضرت ہاجرہ نے کہا پیارے ابراہیم علیہ السلام کہاں جا رہے ہو۔اور ہمیں اس ویرانے میں کیوں چھوڑے

جارہے ہو اس مرتبہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پکار کر پوچھا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔اور پلٹ کر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہی تھا۔ پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے آپ سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔کہ ہاں! یہ حکم ربی ہے۔ اس پر حضرت ہاجرہ نے کہا۔تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں چلتے ہوئے ایک گھاٹی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے ۔اور وہاں سے انہیں بیوی اور بچہ نظر نہیں آرہے تھے۔تو آپ نے رو بقبلہ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی جو اوپر ذکر کی۔آپ نے یہ دعا کی اور واپس روانہ ہو گئے۔

اب بی بی ہاجرہ بچے کو دودھ پلاتیں۔اور خود مشکیزے سے پانی پیتیں۔حتیٰ کہ پانی ختم ہو گیا۔اور پیاس سے جان پر بن گئی۔اور بیٹا بھی پیاس سے بے حال ہو گیا۔اور آپ بچے کو لوٹ پوٹ ہوتا دیکھ رہی ہیں لہٰذا آپ پانی کی تلاش میں قریبی پہاڑ صفا پر چڑھ گئیں۔اور ادھر ادھر وادی کی طرف دیکھنے لگیں۔کہ کچھ سہارا نظر آئے۔ لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔آپ صفا پہاڑی پر حیران و پریشان کھڑی تھیں۔اور پھر آپ نے دوسری طرف نظر دوڑائی۔اور دور وادی کو دیکھنے لگیں۔اور پھر ایک مجبور و بے بس شخص کی طرح دوڑتی ہوئی نیچے وادی میں اتر آئیں۔اور دوسرے پہاڑ مروہ پر چڑھ گئیں۔اور وہاں کھڑے ہو کر آس پاس کو دیکھنے لگیں۔کہ کچھ دکھائی دے۔لیکن وہاں کیا رکھا۔جو نظر آتا۔تو اس طرح پریشان ہو کر آپ نے ان دونوں پہاڑیوں (صفا و مروہ) کے درمیان سات چکر لگائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔کہ (حج و عمرہ کے موقعہ پر) ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان لوگوں

کا دوڑنا اسی واقعہ کی یادگار ہے۔

جب آپ آخری بار مروہ پر آئیں تو آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ جس پر حضرت ہاجرہ اپنے آپ سے کہنے لگیں خاموش! پھر آپ نے غور سے دوبارہ سنا اور کہا اگر تمہارے پاس کوئی مدد ہے تو بتاؤ۔ تو آپ نے دیکھا زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا ہے جس نے اپنی ایڑی سے یا آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے پیرون سے کریدا تو وہاں سے پانی بہہ پڑا۔ جسے حضرت ہاجرہ بی بی نے حوض کی شکل دے دی اور پانی لے کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں۔ اور پانی تھا نکلتا ہی چلا آ رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ اگر حضرت ہاجرہ بی بی زمزم کو یوں ہی چھوڑ دیتیں اور اس پر بندھ نہ لگاتیں تو زمزم ہمیشہ کے لئے جاری چشمے کی صورت اختیار کر لیتا۔

آپ نے چشمہ سے پانی پیا۔ اور بچے کو دودھ پلایا۔ تو فرشتے نے ان سے کہا کہ اب تم دربدر ہونے کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ جسے یہ لڑکا اور اس کے والد نئے سرے سے تعمیر کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دربدر نہیں ہونے دیتا۔

بیت اللہ شریف زمین سے ذرا اونچا تھا۔ سیلاب کا پانی آتا تو اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتا اور قبیلہ جرہم کا قافلہ اکثر ادھر سے گزرا کرتا تھا۔ معمول کے مطابق ایک دفعہ بنو جرہم کداء کے راستے سے گزرتے ہوئے مکہ کے قریب پڑاؤ کیا۔ تو انہوں نے دور سے فضا میں پرندے اڑتے ہوئے دیکھے تو انہوں نے سوچا ہو نہ ہو یہ پرندے پانی کے اوپر اڑ رہے ہیں۔ لیکن ہم نے پہلے تو کبھی ادھر پانی کا نام ونشان نہیں پایا۔ تو انہوں نے اپنے چند لوگوں کو تفتیش حال کے لئے بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پانی کا چشمہ موجود ہے۔ اور ایک عورت ایک بچے

کے ساتھ چشمے پر موجود ہے۔تو انہوں نے اس خاتون سے اجازت مانگی کہ وہ لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ یہاں ٹھہر سکتے ہیں؟

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں لیکن چشمہ کی ملکیت پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ویسے تم اس کے پانی سے فیض یاب ہو سکتے ہو۔تو انہوں نے منظور کرلیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔کہ حضرت ہاجرہ کو بھی ان کی مرضی کے مطابق بہتر لوگ مل گئے۔انہیں بھی مونس و مددگار ساتھیوں کی ضرورت تھی۔لہذا وہ لوگ اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہیں رہ پڑے۔(بخاری شریف)

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے ملنے آتے ہیں:

پھر جب حکم الٰہی ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اپنے بیوی بچے کو چٹیل اور ویران وادی میں چھوڑ گئے تھے۔اور دل پر پتھر رکھ کر بظاہر انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چل دیئے تھے۔کیونکہ امر ربی کا یہی تقاضا تھا۔اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا والی وارث بن گیا تھا۔اور صالح اور نیکوکاروں کا وہی محافظ اور ذمہ دار ہے۔جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ بیت اللہ شریف کے پاس ایک چشمہ موجود ہے اور بڑی تعداد میں لوگ وہاں سے پانی پی رہے ہیں اور ہر طرف زندگی کی بہار ہے۔تو آپ کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔اور آپ مطمئن ہو گئے کیونکہ وہ اپنے پروردگار کی رحمتوں اور برکتوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے۔کہ کس طرح ان کے اہل بیت کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہیں۔وہی بے بس و مجبور ہاجرہ اب مومنہ و شاکرہ بن کر اللہ کریم کی رحمت کے سایہ اور بیت اللہ شریف کے جوار میں اپنے بچے سمیت زندگی گزار رہی تھیں۔جس بیت اللہ کو ان کے شوہر اور بیٹا تعمیر کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے مکان کے قریب آئے۔اور

اس وقت رات کافی گزر چکی تھی۔ اور پورے مکہ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور کائنات پر سکوت طاری تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت ہاجرہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اور وہ اس وقت رقت بھرے لہجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیفہ تلاوت فرما رہی تھیں۔ اور اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تعلیم دے رہی تھیں۔ یہ دیکھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور رضا الٰہی کا نور ان کے قلب و روح میں رچ بس گیا۔ کہ ان کی ذریت طاہرہ برکات سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ اللہ کریم اپنے شکر گزار بندوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

بیت اللہ شریف کے سائے میں اپنے اہل و عیال سے یہ ملاقات ان کے لئے بہت مسرور کن تھی۔ اور وہ اپنے بیوی بچے کو دیکھ کر باغ باغ ہو رہے تھے۔ جو اللہ تعالی کے سہارے پروان چڑھ رہے تھے۔ اور ان کے بیٹے کے چہرے پر علم و حلم کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ اور ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بیٹے کی جدائی میں بہت آزمائشوں سے گزرے تھے۔ اور ان کا دل برابر اپنے پیارے بیٹے کے لئے تڑپتا رہتا تھا۔ اب اسی بیٹے سے ملنے آ رہے تھے۔

اللہ کریم کو یہی منظور تھا۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کے سایہ میں جوان ہوں۔ اور یہی امر الٰہی تھا اور اسی میں حکمت خداوندی پنہاں تھی۔ اور حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالی نے ام اسماعیل بنانے کے لئے چن لیا تھا۔ اور یہی صابرہ و شاکرہ خاتون لقاء الٰہی کی امیدوار تھیں۔ اور اللہ کریم کے ہر حکم کو تسلیم کرنے کو تیار لہذا وہ رضا الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

ذبیح اللہ کی والدہ محترمہ:

اب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تھے۔ اور اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم

علیہ السلام یہ دیکھ کر کہ ان کا پیارا بیٹا کاروبار زندگی میں بھر پور حصہ لے رہا ہے۔ نہایت ہی مسرور ہورہے تھے۔اورانہیں اس ہونہار بیٹے پر پیار آرہا تھا۔اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام تیرہ چودہ برس کے ہو چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب:

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام سورہے تھے۔کہ انہوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ وہ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔اور حضور نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:۔

''کہ نبیوں کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے''۔ رُؤْيَا الْاَنْبِيَآءِ وَحْیٌ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب دیکھ کر سمجھ لیا کہ اللہ کریم نے مجھے بیٹے کی قربانی کا حکم فرمایا ہے۔اورانہیں اس معاملہ میں ذرا بھر شک وتردد نہیں ہوا۔اور آپ اس کام کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔کیونکہ دل میں سوائے تسلیم ورضا اور ایمان و یقین کے اور کچھ نہ تھا۔

لہٰذا آپ نے اللہ کریم سے یہ نہیں پوچھا۔کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔اورکوئی وہم وخیال آپ کے دل میں اس کے خلاف پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل وکرم سے تمام وسوسوں پر غلبہ پا لیا۔اوراپنے اس خواب کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گوش گزار کر دیا۔اورفرمایا:۔

''اے بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں۔کہ گویا تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے''۔

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴿الصافات: ۱۰۲﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیش کر دیا۔ تا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری اور طلب ثواب کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور وہ بھی تسلیم و رضا کی لذت سے آشنا ہو جائیں۔

اس مقام پر علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف کلام فرمایا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ کریم کا یہ فیصلہ حتمی ہے۔ پھر اپنے بیٹے سے مشورہ کرنے میں کیا حکمت تھی؟

اس کا جواب امام خاذن یہ دیتے ہیں۔ کہ یہ مشورہ ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اس لئے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اور وہ امر ربی کی تعمیل کر کے صبر و ہمت کا ثبوت دیں۔ اور اطاعت خداوندی پر قوی ہو جائیں۔ اور اپنے آپ کو اس آزمائش سے گزرنے کے لئے پوری طرح تیار کر لیں۔ اور پوری طرح ثواب اور صلہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے پائیں (تفسیر خازن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امر ربانی کی تعمیل میں ذرہ بھر ڈھیل نہیں کی۔ اور انہیں اس میں کوئی تامل و تذبذب نہ ہوا۔ بلکہ ایک فرمانبردار بندے کی طرح اطمینان اور وثوق سے جواب دیا۔

''ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ وہی کیجئے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے''۔	يَـٰٓأَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ☆ ﴿الصافات : ۱۰۲﴾

اور پھر اپنے والد سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا۔ جس پر ان کے رب کریم نے ذکر حکیم (قرآن مجید) میں مدح سرائی فرمائی۔

''اور کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کرو۔وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے''۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا

﴿سورہ مریم آیت : ۵۴﴾

اب دونوں باپ اور بیٹا امر ربانی کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے۔اور اپنے آپ کو رضاء الٰہی کے سپرد کر دیا۔اور اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے تابع وفرمانبردار ہو گئے۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو چت لٹا دیا۔اور ابتلاء خداوندی اور قربانی کے امتحان میں سرخرو ہونے کے لئے بالکل مستعد ہو گئے۔بس اب گلے پر چھری چلانا باقی تھا۔

اس نازک موقع پر اس آزمائش پر پورا اترنے کا مرحلہ آ گیا۔اور یہ دونوں جلیل القدر پیغمبر اس آزمائش سے سرخرو ہو کر گزر گئے۔اور اللہ کریم کے فضل سے کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔اور عالم بالا سے ندا آئی۔قرآن مجید میں اس منظر کو اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

''اور ہم نے ان کو پکارا۔کہ اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا''۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ☆ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ☆ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ☆ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ☆

﴿الصافات : ۱۰۴ تا ۱۰۷﴾

ادھر جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ ادھر ابلیس لعین حضرت ہاجرہ کے دل میں وسوسہ ڈال رہا تھا۔ یعنی ام اسماعیل کو بیٹے کے سلسلے میں بہکا رہا تھا۔ اوران کے دل میں شک کے بیج بو رہا تھا۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ......

ابلیس لعین انسانی شکل میں حضرت ہاجرہ کو آ کر کہنے لگا۔ کہ کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ ادھر کھائی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ تو شیطان نے کہا نہیں وہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔

حضرت ہاجرہ نے جواب دیا۔ وہ تو بہت رحم دل ہیں۔ اوراپنے بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ شیطان نے کہا۔ ان کا خیال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت ہاجرہ نے بڑے اطمینان اوراعتماد کے ساتھ کہا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا حکم دیا ہے۔ تو پھر تو انہیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

اسی طرح شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لئے آیا۔ لیکن ان کی طرف سے منہ کی کھا کر کڑھتا ہوا واپس لوٹا۔ اور خائب وخاسر ہو کر دھتکارا گیا۔ اوراس کا کوئی داؤ ان پاک ہستیوں پر نہیں چلا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے وہ سب اس کے دھوکہ سے صاف بچ گئے۔

ذبیح کون ہے؟:

بعض لوگوں نے ذبیح اللہ کے بارے شک ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ کیا ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام صحیح اور راجح اور تحقیقی بات یہ ہے۔ کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اوراس پر دلائل کثرت سے موجود ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ذبح کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ

السلام اور ان کی والدہ مکہ میں رہتے تھے۔ جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ شام میں رہتے تھے۔

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے عمر بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا۔ کہ کیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ اصمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ کہ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام رہتے تھے۔ یا اسحاق علیہ السلام اور تعمیر کعبہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ شریک تھے یا اسحاق علیہ السلام اور قربان گاہ مکہ میں تھی یا شام میں (تفسیر قرطبی)

دوسرے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کی یہ دلیل بھی قرآن مجید میں ہے۔ کہ اللہ کریم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صبر کے وصف سے موصوف فرمایا ہے۔ نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو!

وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِدۡرِیۡسَ وَذَاالۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ☆ ﴿الانبیاء : ۸۵﴾

''اور حضرت اسماعیل علیہ السلام وادریس و ذوالکفل کو بھی یاد کرو۔ یہ سب صبر کرنے والے تھے''۔

اور ان کے صبر کا اظہار و ثبوت اس ذبح کے موقع پر ہوا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے والد محترم سے صبر کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ جسے انہوں نے پورا کر دکھایا۔

اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ ﴿مریم : ۵۴﴾

اور نیز اللہ کریم نے فرمایا:۔

وَبَشَّرۡنٰہُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا ☆ ﴿الصافات : ۱۱۲﴾

اور جب اللہ کریم نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو نبوت کے درجہ پر سرفراز فرمایا تھا۔

تو پھر انہیں ذبح کرنے کا حکم کیوں دیتے۔اور یہ کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:۔

فَبَشَّرْ نٰهَا بِاسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ☆ ﴿هود : ٧١﴾	"تو ہم نے اس کو اسحاق علیہ السلام کی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی"۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت سے پہلے حضرت کو ذبح کرنے کا حکم اللہ کریم کیسے دے سکتے تھے۔

حضرت امام ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر عجیب و غریب کلام فرمایا ہے۔ جس سے طے ہو جاتا ہے۔ کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالٰی نے انسانی فطرت میں یہ بات رکھی ہے۔ کہ پہلوٹی اولاد والدین کو زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بہ نسبت بعد والی اولاد کے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کریم سے بیٹے کا سوال کیا اور اللہ کریم نے ان کی خواہش کو پورا فرمایا۔ اور انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا۔تو بیٹے کی محبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں گھر کر گئی۔اور حالانکہ اللہ تعالٰی نے انہیں اپنا خاص دلی دوست قرار دیا تھا۔اور خلیل الرحمٰن کے منصب کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس کے دل میں صرف ایک ہی محبوب کی محبت ہو کسی دوسرے کی محبت کی اس میں شرکت نہ ہو۔ جب اکلوتے و پہلوٹے بیٹے کی محبت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں جگہ بنا لی۔تو اللہ تعالٰی کی خلت (دلی دوست) غیرت میں آئی تو اللہ رب العزۃ نے چاہا کہ غیر کی دلی دوستی کو اپنے خلیل کے دل سے نکالیں لہٰذا اللہ تعالٰی نے دوسرے محبوب کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب بیٹے کو جس کی محبت ان کے دل میں گھر کر گئی تھی ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔تو اس بات کا ثبوت ہو گیا کہ واقعی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ اپنے پیارے بیٹے سے بھی بڑھ کر ہے۔ تو قربانی کا عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل الرحمٰن (دلی دوست) ہونے کا واضح ثبوت ہوگیا۔ اور قربانی کے عمل سے اسی کا اظہار مقصود تھا۔ اور جب ان کا عزم اور خلوص ظاہر ہوگیا۔ تو اب قربانی کی ضرورت نہ رہی۔

لہٰذا اللہ رب العزۃ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض میں اپنی طرف سے ذبح کے لئے ایک دنبہ بھیج دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب سچ ہوگیا۔ اور رضا الٰہی کا حصول مکمل ہوگیا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ آزمائش کا یہ عمل پہلوٹے بیٹے کے لئے ظاہر ہوا۔ اور یہ مقصد آزمائش دوسرے بیٹے کے ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔
علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک یہودی عالم سچے دل سے مسلمان ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟ تو ان عالم نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اور یہود بھی اس بات کو بخوبی جانتے ہیں۔ لیکن اہل عرب سے حسد کی بنا پر اس سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اہل عرب کے جد اعلیٰ ہیں۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ثابت ہونے سے اہل عرب کی بزرگی ثابت نہ ہوجائے۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس امر میں صبر کا مظاہرہ کرنے پر شرف حاصل ہے۔ لہٰذا یہود اس شرف کا انکار کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح اللہ تھے۔ نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ اس لئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام یہود کے جد امجد ہیں۔
علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ جو

آپ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں تحریر فرمایا ہے کہ:

حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ اور علماء صحابہ اکرام تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ اور آپ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ نہ ہونے پر بیس دلائل بیان فرمائے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے استاد محترم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے سنا ہے۔

آپ فرماتے تھے:۔

کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کا عقیدہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی کتاب سے بھی یہ عقیدہ باطل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ تورات میں ہے۔ کہ...... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے پہلوٹے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کرو۔ اور ایک مقام پر اکلوتے بیٹے کا لفظ بھی آیا ہے۔ اور اہل کتاب اور مسلمان دونوں اس بات کے قائل ہیں۔ کہ پہلوٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ لیکن آج کل کی توارۃ میں لکھ دیا ہے۔ کہ...... اپنے بیٹے اسحاق کو ذبح کرو۔

جو سراسر تحریف اور کذب ہے۔ کیونکہ یہ جملہ اس جملہ کے خلاف ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے اور پہلوٹے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہود اہل عرب کے اس شرف سے بوجہ حسد انکار کرتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طریقے سے یہ شرف انہیں حاصل ہو جائے۔ اس طرح اہل عرب سے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ شرف چھین کر خود اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن کریم نے تو یہ شرف حقیقت میں اہل عرب کو بخش دیا ہے۔ اور اللہ کریم اپنی طرف سے جسے چاہتا ہے۔ شرف اور بزرگی عطا کر دیتا ہے۔

اور میں اس موضوع کو علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے روایت کردہ ان اشعار پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ حضرت ابو سعید ضریر رحمۃ اللہ علیہ سے ذبیح اللہ کے بارے میں پوچھا گیا

تو آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

اِنَّ الذَّبِیْحَ هُدِیْتُ اِسْمَاعِیْلُ	نَطَقَ الْکِتَابُ بِذَاکَ وَالتَّنْزِیْلُ
شَرَفٌ بِہٖ خَصَّ الْاِلٰہُ نَبِیَّنَا	وَاَتٰی بِہِ التَّفْسِیْرُ وَالتَّاوِیْلُ
اِنْ کُنْتَ اُمَّتَہٗ فَلَا تُنْکِرْ لَہٗ	شَرَفًا بِہٖ قَدْ خَصَّہُ التَّفْصِیْلُ

ذبیح اللہ کے بارے میں یہی روایت ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب قرآن مجید یہی بتاتی ہے۔ یہ وہ شرف ہے جو اللہ کریم نے ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور خاص بخشا ہے۔ اور تمام قرآنی تفاسیر وتشریحات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر تم اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہو۔ تو اس شرف سے انکار کرنے کی جرات نہ کرو۔ کیونکہ یہ ایسا شرف ہے۔ جو اللہ کریم نے آپ کو انفرادی طور پر بخشا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر تعمیر بیت اللہ کرتے ہیں:

حضرت ہاجرہ خاتون حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں اور اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جو اپنے والد محترم کے پرتو اور نمونہ تھے۔ ان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام مسرت کا اظہار فرما رہے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ کہ جس کی طرف لوگ دور دراز مقامات سے حج کرنے کے لئے آئیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی تعمیر کی جگہ بھی متعین کر کے بتا دی۔ اور ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پوچھا۔ کہ اسماعیل کہاں ہے۔ حضرت ہاجرہ بی بی نے پوچھا کیوں ان سے کیا کام ہے۔؟

آپ نے فرمایا ہاجرہ خوش ہو جاؤ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔

اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ اسماعیل علیہ السلام اس میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔

یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ بی بی شکر گزاری کے لئے بارگاہ خداوندی میں سجدہ وریز ہوگئیں۔ کہ اللہ کریم نے ان کے بیٹے کو اس شرف کے لئے چن لیا ہے۔ اور اپنے اس گھر کی تعمیر میں حصہ لینے کو پسند فرمالیا ہے۔ جسے اللہ تعالی نے تمام لوگوں کے لئے جائے امن اور ذریعہ ثواب بنایا ہے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالی کے گھر کا نقشہ تیار کرنے لگے۔ اور جب کبھی حضرت ہاجرہ بی بی کو موقع ملتا تعمیر کے کام میں اپنے شوہر اور بیٹے کا ہاتھ بٹاتیں۔ اور وہ مسلسل کام میں جٹے رہتے۔ کیا مبارک ساعتیں تھیں جب دونوں باپ بیٹا اللہ تعالی کا پاک گھر بنانے میں مصروف تھے۔

اور اس خیال سے انہیں بہت روحانی مسرت حاصل ہوتی۔ کہ وہ اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالی کا گھر بنانے میں مصروف ہین۔ اور سب دنیا والوں کو چھوڑ کر اللہ پاک نے انہیں یہ سعادت بخشی ہے۔ اللہ کریم نے بڑے احترام اور عزت سے اس کارنامے کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

"اور جب حضرت ابراہیم علیہ
السلام اور اسماعیل علیہ السلام
بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر
رہے تھے۔ تو دعا کئے جاتے
تھے کہ اے پروردگار ہم سے یہ
خدمت قبول فرما بے شک تو
سننے والا جاننے والا ہے۔ اے
پروردگار! ہمیں اپنا فرمانبردار
بنائے رکھیو۔ اور ہماری اولاد
میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع
بنائے رہو۔ اور پروردگار ہمیں
عبادت کے طریقے بتا۔ اور
ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ
فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے
والا مہربان ہے"۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ☆ رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ
مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ
عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِیْمُ ☆ رَبَّنَا وَابْعَثْ
فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ
یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ
وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ
وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ
اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ☆

﴿البقرہ : ۱۲۷ تا ۱۲۹﴾

تعمیر کعبہ کی تکمیل:

بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام مل کر اس کی صفائی و تطہیر میں مصروف ہیں۔ اور طواف کرنے والوں اور اس میں نماز ادا کرنے والوں رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے اسے آب زمزم سے دھو کر اسے چمکا رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت جاری ہوئی ہے۔ کہ

"اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کردو۔ کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آتے ہوں۔ سوار ہو کر چلے آئیں۔ تا کہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں۔ اور قربانی کے ایام معلوم ملیں چارپایوں کے ذبح کے وقت جو خدا نے ان کو دیئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں"۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ☆ لِیَشْهَدُوْا مَنٰفِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ☆

﴿الحج : ۲۷ تا ۲۸﴾

اب حاجیوں کے قافلے کے قافلے بیت اللہ کو آ کر مناسک حج ادا کر رہے ہیں۔ اور حضرت ہاجرہ کو سب باتیں یاد آ رہی ہیں۔ اور ہر چیز ان کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ اور ان کا ذہن کہاں کا کہاں پہنچ گیا ہے۔ اور انہیں اس بات کی کامل معرفت حاصل ہوگئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری طرح سے اپنی رحمتوں کے حصار میں لے رکھا ہے۔ اور انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے مالا مال کر دیا ہے۔ اور سیدھا راستہ دکھایا ہے۔

اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا پیغمبر اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا ہونہار فرزند مرحمت فرمایا۔ جنہیں اللہ کریم نے زمزم کی برکت و انعام سے نوازا۔ اور جنہیں بیت اللہ شریف کی تعمیر میں شرکت کا شرف نصیب ہوا۔ اور اس شرف و اکرام کا کبھی تصور بھی ان کے دماغ میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ کہ ان کے صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا تمام لوگوں کے لئے سنت ابراہیمی قرار دیا

جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت ہاجرہ بی بی علیہا السلام کی یادگار سعی بین الصفا والمروہ:

جب حضرت ہاجرہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش سے پوری طرح سرخرو ہوکر گزر گئیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس مومنہ طاہرہ کی دوڑنے کی اس ادا کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ گویا کہ حضرت ہاجرہ خاتون کو اللہ کریم نے ان کی اطاعت گزاریوں سے خوش ہو کر ان کو جزاء خیر کا انعام عطا فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کا قدردان ہے۔ آپ لوگوں کی بھیڑ کو حج کرتے اور مناسک حج ادا کرتے دیکھتیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے ہوئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا دل قابو میں نہ رہتا۔ اور آپ اللہ کریم کی اس عزت افزائی پر آنسو بھر لاتیں اور شکر الٰہی ادا کرنے کے لئے سجدے میں گر جاتیں۔ اور اللہ کریم کی دل و جان سے حمد و ثنا کرتیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے لئے حج بیت اللہ شریف کا اعلان فرمایا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ بی بی دنیا کی پہلی شخصیت تھیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس آواز پر لبیک کہا۔ اور تمام عالم کے لوگوں پر شرف حج بیت اللہ کرنے میں سبقت حاصل ہوئی۔

حضرت ہاجرہ بی بی کے آخری ایام:

حضرت ہاجرہ بی بی حرم کعبہ کے سامنے بیٹھی ہوتیں۔ اور آپ کی نظریں بیت اللہ شریف کے آس پاس گھوم رہی ہوتیں۔ تو ان کا ذہن کسی اور دنیا میں پہنچا ہوتا۔ اور کئی پرانی یادیں ان کے دماغ میں تازہ ہو رہی ہوتیں۔ اور پھر سوچتیں۔ تو انہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دکھائی دیتا۔ اور انہیں وہ دن یاد آتا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دودھ پیتے بچے کے ساتھ لق و دق صحرا میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ تو انہوں نے یقین کے ساتھ کہا تھا:۔

سوچ کر آپ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور ان کی یہ خواہش ہو گئی۔ کہ اب وہ بیت اللہ شریف کو نظر بھر کر دیکھتی رہیں۔ اور اس میں ان کی زندگی تمام ہو جائے۔

آپ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھتیں۔ اور ان کی وجہ سے حاصل شدہ برکتوں کا حساب لگاتیں۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اور ان کی ذریت کے لئے رحمتوں اور برکتوں کی تکمیل کی ہے۔ اس وقت ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھتا اور ہر طرف لوگوں کو عبادت گزاری میں مصروف دیکھتیں۔ اور لوگوں کو طواف کرتے ملاحظہ کرتیں۔ اور ہر طرف نیکو کاروں کے لئے دعائیں کرتے دیکھتیں۔ اس وقت ان کی پاکیزہ روح اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوئی ہوتی۔

یہ ہیں حضرت ہاجرہ بی بی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کی قابل احترام والدہ' جنہیں اللہ تعالیٰ نے جوار بیت اللہ شریف میں رہنے کا شرف بخشا۔ اور وہیں دن رات گزارنے کے مواقع ملے۔ اور پھر اسی بیت اللہ شریف میں وہ مدفون ہوئیں۔ جہاں دن رات ہزاروں لوگ طواف کرتے ہیں اور یہ طواف کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

اللہ کریم کو یہی منظور تھا کہ حضرت ہاجرہ حرم شریف میں حجر کے مقام پر مدفون ہوں جہاں ہر وقت نیک اور پاک لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

وہ مقام جہاں کبھی لغو اور گناہ کی بات نہیں ہوتی۔ وہ مقام جو طواف کرنے والوں' عبادت گزاروں' رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کے لئے آپ کے شوہر اور بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی سے تعمیر فرمایا۔

زمانہ گزر گیا صدیاں بیت گئیں۔ لیکن اب بھی لوگ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور ان کے صبر اور وفا شعاریوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہ پر اپنا فضل کرم فرمائے۔ جو زمانہ بھر کی عورتوں کے لئے ایک بہترین نمونہ عمل

ہیں۔ کیا خواتین اس مہک خاتون کی پیروی کریں گی۔ اور ان کی معطر زندگی سے فیض یاب ہونگی۔

انشاءاللہ ضرور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا وَ جَعَلَہَا فِیْ عِلِّیِّیْن

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

صدق اللہ العظیم

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہماری آج کی دنیا جو شور وشر' بے حیائی و بے باکی کی ظلمت وتاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور مادہ پرستی کے جنون نے اس کی صورت مسخ کر دی ہے' اس بات کی کتنی شدید ضرورت ہے کہ ان پاک طینت' پاکیزہ سیرت اور خدا پرست خاتونان جنت کے نمونے ہمارے سامنے آئیں اور ہمارے دل کی اجڑی ہوئی بستی میں ایمان و یقین' تقویٰ وطہارت اور اپنے خالق کے نام پر اپنی من پسند چیزوں اور خواہشات نفسانی کو قربان کر دینے کا حوصلہ پیدا کریں اور ہم بھی ان مثالی خواتین کے نقش قدم پر چل کر وہ مثالی کردار ادا کریں جس کی آج اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنا پیاسے کو پانی اور بھوکے کو کھانے کی۔ کہ انسان کھانا پانی نہ پا کر صرف مر جائے گا مگر ایمان وعقیدہ اور اخلاق کریمہ کی موت' وہ موت ہے جو آخرت کے دردناک عذاب میں پہنچا دے گی۔

ذیل کی سطروں میں ہم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسوہ پیش کرتے ہیں جو ایک مثالی خاتون کا اعلیٰ نمونہ ہے اور ہر مسلمان عورت کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

قبل از اسلام :

اسلام سے پہلے عربوں کے جو حالات بیان کیے جاتے ہیں ان میں یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے اور تصویر کا ایک ہی رخ سامنے لایا جاتا ہے کہ بے حیائی وفحش کاری' شراب خوری اور اس کے برے نتائج عام تھے' عصمت وعفت نام کی کوئی چیز اس وقت کے معاشرہ میں نہیں پائی جاتی تھی' نہ عورت کو عزت کا کوئی مقام حاصل تھا۔ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ عربوں میں بہت سے معزز خاندان تھے جن میں شرافت' عفت و پاک دامنی جود وسخا اور کرامت نفس جیسی صفات پائی جاتی تھیں گو ان صفات کی کوئی واضح تعلیمات نہ تھیں تاہم انبیاء کرام علیہم السلام کے بچے کھچے ورثہ میں سے

انسانیت کی بہت سی قدریں زندہ تھیں' نہ صرف زندہ تھیں بلکہ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا یہی وجہ تھی جس کے سبب اللہ کے رسول اپنی سچائی اور امانت داری کی بنا پر صادق و امین کے لقب سے یاد فرمائے گئے اور ان صفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ حضرت ابو بکر جب لوگوں کے ستانے پر اپنی بستی چھوڑ کر نکلے تو ابن دغنہ یہ کہہ کر واپس لایا کہ آپ جیسے آدمی کو نہیں نکالا جا سکتا' آپ تو محتاجوں کے کام آتے ہیں' مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں' راہ حق کی تکلیفوں اور آفتوں میں مدد کرتے ہیں۔ ابن دغنہ کی باتیں یہ پتہ دیتی ہیں کہ اس بگڑے ہوئے ماحول میں بھی ان صفات کی قدر تھی اور ایسے لوگ پائے جاتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ایسے ہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جس میں عصمت و عفت' طہارت اخلاق اور نیک اطوار و عادت پائے جاتے تھے۔ دنیاوی اعتبار سے بھی آپ کا گھرانہ کھاتے پیتے گھرانوں میں سے تھا اور شرافت و سیادت کے اعتبار سے سیدہ نسا قریش (قریش کی عورتوں کی سردار) کہلاتی تھیں۔ اسی کے لازمی نتیجہ کے طور پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی خوش خو' پاک باز' عفت مآب تھیں۔ اسی وجہ سے آپ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ کا نسب ماں باپ دونوں کی طرف سے اوپر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ازواج مطہرات میں نسب کے اعتبار سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھیں۔

آپ مکہ کے معزز اور بڑے تاجر خویلد بن اسد کی بیٹی تھیں۔ گھر میں آرام و آسائش کا سامان مہیا تھا آپ کے والد کو لوگ عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی مالداری کے ساتھ ساتھ حسن و جمال خاندانی عزت و شرف اور پاکیزہ اخلاق اور اچھی طبیعت کی مالک تھیں۔

اپ کے والد خویلد جیسا کہ ذکر ہوا بڑے تاجر تھے مگر کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لہذا ان کے

بوڑھے اورضعیف ہو جانے کے سبب سارا کاروبار تجارت خود حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا دیکھتی تھیں والد کے انتقال کے بعد آپ اس زبردست سرمایہ کی مالک ہوگئیں۔اور مکہ کے بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگیں۔مال وثروت کی کثرت اور تجارتی کاروبار کی نگرانی نے آپ کے تجربہ اور فہم وفراست کومزید جلابخش دی تھی۔ طبیعت میں وقار وتمکنت اور سنجیدگی ومتانت پائی جاتی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کرنے سے قبل آپ دوبارہ بیوہ ہو چکی تھیں۔آپ کی دونوں شادیاں قریش کے دومعزز سرداروں سے ہوئی تھیں۔پہلی شادی عتیق بن عائد مخزومی سے ہوئی تھی۔ان سے ایک بچی پیدا ہوئی۔شادی کے چند ہی سال بعد ان کا انتقال ہوگیا۔پھر دوسری شادی ھالۃ بن زراہ تمیمی سے ہوئی۔ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام ھندا تھا۔تھوڑے دنوں بعد دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہوگیا۔دومرتبہ بیوگی کا داغ جھیلنا سوہان روح تھا اب طبیعت ایسی بجھی کہ شادی کا خیال ترک کر دیا۔اپنے دو یتیم بچے اور خادموں کے ساتھ زندگی کے دن کاٹ رہی تھیں اور تجارت کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔تجارتی سامان جومختلف شہروں کو جاتا اور وہاں سے آتا تھا اس کی دیکھ بھال کے لئے معتمد آدمی نہیں ملتا تھا ان سب باتوں نے ماحول ومعاشرہ سے بہت بددل کر رکھا تھا۔اکثر بیت اللہ شریف جاتیں اور اس وقت کے مروجہ طریقہ کے مطابق یاد خدا میں وقت گزارتیں۔آپ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے جس کے سبب نبی آخر کی آمد اور ان کی علامات سے واقف تھے بڑے عالم شمار ہوتے تھے اس کے نتیجہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بھی نبی آخر الزماں کے سلسلہ میں معلومات تھیں اور ذہن اس کے لئے تیار تھا بلکہ اس گھڑی کا منتظر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجارتی مہم پر بھیجنا:

اوپر ذکر ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا بڑی تاجر تھیں مختلف لوگوں کو مختلف

شہروں کو سامان تجارت لے کر بھیجتی تھیں مگر لوگ اکثر صحیح معاملہ نہ کرتے' آپ کو ایک امانت دار شخص کی ضرورت تھی ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت و صداقت کا چرچا ہو چکا تھا اور خاندانی روابط کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کی غربت اور کثرت عیال سے واقف تھیں لہذا خیال آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامان تجارت لے کر شام بھیجیں جس سے ان کو ایک امانت دار کا تعاون حاصل ہو اور ابو طالب کا بار بھی ہلکا ہو چنانچہ حضرت ابو طالب کو ان کی اس خواہش کا علم ہو گیا اور ایک دن ان کے پاس گئے اور کہا کہ میرے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامان تجارت لے کر بھیجو۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے دل کی آواز تھی بڑی مسرور ہوئیں اور ابو طالب کی اس پیش کش کو فوراً قبول کر لیا۔

سفر شام:

اور اپنے غلام میسرہ کے ساتھ سامان تجارت لے کر شام بھیجا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی آخر الزماں کے بارے میں سن رکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات حمیدہ اور خصال کریمہ کا چرچہ سن چکی تھیں لہذا خادم میسرہ کو ہدایت تھی کہ ان کا خیال رکھنا اور جو کچھ دیکھنا بے کم و کاست مجھے آکر بیان کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا کی نیک دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ سفر کیا اور تھوڑے وقت میں بہت زیادہ فائدہ کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ غیر معمولی نفع اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سفر سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت خیال فرمانے لگیں اور دل و میں یہ خیال چٹکی لینے لگا کہ شاید نبی آخر الزماں یہی ہوں۔ لہذا کچھ اس طرح سوچنے لگیں کہ مجھے ان کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے تو کیا کہنا۔

حالانکہ آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی دو مرتبہ بیوگی کا غم جھیل چکی تھیں اب شادی

کی خواہش مرچکی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سن کر اپنے دل کو آپ کی طرف مائل اور زوجیت میں جانے کا شائق پایا۔ یہ شوق وجذبہ یقیناً حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اس پاک طینتی کے نتیجہ میں تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نور نبوت کو دیکھ لیا تھا۔ چالیس سال کی بیوہ جس کی عمر ڈھل چکی ہے مال و دولت کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔ سرداران قریش کے پیغامات نکاح کو رد کر چکی ہے وہ جب ایک پچیس سالہ ہاشمی نوجوان سے شادی کرنا چاہے جس کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے تو اس کی تاویل اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے کو کسی بڑی قربانی کے لیے پیش کر رہی ہیں یا ایک مثالی نوجوان کی زوجیت کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن فکر یہ تھی کہ اپنے دل کی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے کہیں بالآخر اس ذمہ داری کو ان کی ایک سہیلی نفیسہ نے انجام دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس رشتہ کے قبول کرنے کی درخواست کی پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے صراحاً شادی کا پیغام دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں چچا ابو طالب اور حضرت حمزہ سے مشورہ کیا اور ان دونوں حضرات کے اتفاق سے نکاح ہوگیا آپ کے چچا ابو طالب نے اس وقت کے شرفا کے رواج کے مطابق خطبہ پڑھا اور چھ اوقیہ سونا مہر پر نکاح ہوگیا۔

شادی کے بعد:

اگر چہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا ایک صاحب ثروت خاتون تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ خالی تھا بہت ممکن تھا کہ عمر اور مثالی تفاوت کے نتیجہ میں زندگی زیادہ دنوں تک خوشگوار نہ رہ پاتی مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ایک مثالی خاتون کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا کیا زندگی کے لیل و نہار مہینہ اور سال بلکہ سالوں میں تبدیل ہوتے رہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی

عنہا شوہر کی اطاعت شعار' خدمت گزار شوہر کی محبت میں سرشار' شوہر کے آرام و راحت کے لیے اپنے آرام و راحت کو قربان کرنے والی بیوی کی طرح اپنے حقوق پوری طرح ادا کرتی رہیں۔

اولاد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ اور چار لڑکیاں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا' رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ شرف تمام ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوا' دیگر ازواج سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

نور نبوت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے دیگر نوجوانوں کی طرح جوا' شراب' ناچ گانا اور کھیل تماشوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ آپ سکون و فراغت کے وقت نظام کائنات پر غور فرماتے اور خلوت و تنہائی میں وقت گزارنا پسند کرتے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں پورا تعاون فرماتیں اور آپ کو یکسو رکھتیں۔ اخیر میں جب آپ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر غار حرا میں وقت گزارنے لگے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف یہ کہ کھانے پینے کا سامان تیار کر بھیجتیں بلکہ کسی کو آپ کی حفاظت کے لیے مقرر فرما دیتیں کہ مبادا آپ کو کوئی نقصان و تکلیف پہنچ جائے اور جب آپ غار حرا سے واپس تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و راحت رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتیں۔ خلوت پسندی کی اسی حالت میں جب عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے تو آپ منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور غار حرا میں پہلی وحی اقراء نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر واپس آئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا مجھے

اڑھادو مجھے اڑھا دو آپ اوڑھ کر لیٹ گئے جب کچھ سکون ہوا اور وہ کیفیت جاتی رہی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب تفصیل سنائی اور خوف و اندیشہ ظاہر کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑی تسلی دی اور فرمایا ہرگز اللہ تعالیٰ آپ کو رسوانہیں کرے گا۔ آپ رشتوں کا پاس کرتے ہیں مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ راہ حق کی مشکلات و مصائب میں لوگوں کے کام آتے ہیں' لوگوں کا بار ہلکا کرتے ہیں' آپ کو یہ تسلی دی اور لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا کہ میرے بھائی تم اپنے بھتیجے کی بات سنو! جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب تفصیل سنائی تو ورقہ بن نوفل نے کہا یہ تو وہ شریعت ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتری' کاش میں اس وقت جوان ہوگا کاش میں اس وقت زندہ رہتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مجھ کو نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہوا سے لے کر جو بھی آیا وہ ستایا گیا اگر میں اس وقت زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ تھوڑے ہی دن زندہ رہے اور وحی رک گئی۔

کار نبوت کی ابتدا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قربانی:

نزول وحی کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکر مند رہنے لگے کہ یہ زبردست ذمہ داری کیونکر ادا ہو سکے گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس نازک گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور ہمت و ڈھارس بندھائی کہ آپ پریشان نہ ہوں آپ اپنی ذمہ داری ادا کریں گے' مجھے اس پر فخر ہے میں ہر قربانی کے لیے تیار ہوں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کہا کر دکھایا۔ اپنا سارا سرمایہ پیش کر دیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک خفیہ طور پر دعوت کا کام کرتے رہے اس کے بعد علی الاعلان کام کرنے کا حکم ہوا جس کے نتیجہ میں اپنے پرائے سب خفا ہو گئے۔ نہ صرف خفا ہو گئے بلکہ درپے آزار ہو گئے آپ پر حملے کئے

لگے دوست احباب نے بھی ساتھ چھوڑ دیا' آپ نے سب کچھ جھیلا اور برداشت کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر طرح سے آپ کو سہارا دیتی اس پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بائی کاٹ کیا گیا اور آپ کو مع اصحاب کے شعب ابی طالب میں قید کر دیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنا گھر بار مال واسباب اور سامان راحت سب کچھ چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ شعب ابی طالب میں تکلیفیں و فاقہ کشی کی زندگی گزاری' نازونعم میں پلی ہوئی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شعب ابی طالب کی مشقتوں نے نڈھال کر دیا۔ بھوک پیاس ظلم و جور سب جھیلا مگر اپنے شوہر کی مدد سے پیچھے نہ ہٹیں' ایک وفادار مخلص و غم خوار اور شوہر پر جان نچھاور کرنے والی خاتون کی طرح آپ کو سہارا دیتی رہیں۔

جب شعب ابی طالب کا دور المناک ختم ہوا تو گھر واپس آئیں کہ اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ ہر طرح دین اسلام کی خدمت کے لیے تیار رہیں' تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قوت وغلبہ حاصل ہو۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحیثیت ایک ماں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بچے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت عمر چالیس سال ہو چکی تھی' اب اس کی توقع کم ہی رہ گئی تھی کہ آپ کے اولاد ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا چار لڑکیاں اور دو لڑکے عطا کیے۔ دونوں لڑکوں کا انتقال شیر خواری ہی میں ہو گیا۔ زبیر بن عوام بن خویلد راوی ہیں کہ بعثت کے بعد حضرت قاسم کا شیر خواری میں انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں پوچھنے پر عرض کیا دودھ اتر آیا ہے قاسم زندہ ہوتے تو دودھ پلاتی حتیٰ کہ مدت رضاعت گزر جاتی' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قاسم کے لیے جنت میں ایک دایا ہے جو مدت رضاعت

پوری کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کیا اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا تو دل کو تسلی ہو جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو جنت میں ان کی آواز تم کو سنا دوں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کیا اس کی ضرورت نہیں' میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر یقین کرتی ہوں۔

چاروں بچیوں کی دیکھ بھال اور تربیت اس انداز سے کی جو ایک نبی کے شایان شان تھی۔ ایسی بچیوں کے ساتھ کھیلنے سے روکتی تھیں جن کے اخلاق قابل اطمینان نہیں ہوتے تھے یا ان کی عادات اچھی نہ ہوتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے اخلاق کریمہ:

حضرت خدیجہ محتاجوں مسکینوں' غلاموں اور فقیروں پر مہربان ہونے اور ان پر خرچ کرنے میں مشہور تھیں۔ مصیبت زدوں' مریضوں اور بے بسوں اور عمر درازوں کا سب سے پہلے خیال فرماتیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن زید بن حارثہ کے پاس سے گزرے دیکھا کہ ان کے مالک ان کو بیچ رہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا رحم آیا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس آئے اور واقعہ بیان کیا' حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے پوچھا ان کی قیمت کتنی ہے' آپ نے فرمایا سات سو درہم۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فوراً سات سو درہم دیے کہ آپ زید بن حارثہ کو خرید لیجئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کو لے کر گھر پہنچے تو فرمایا اگر یہ غلام میرا ہوتا تو میں اس کو آزاد کر دیتا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا یہ آپ ہی کا غلام ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت حضرت زید کو آزاد کر کے متبنّیٰ بنا لیا۔ شعب ابی طالب میں قید کے زمانہ میں جب مسلمان بھوک کی بھٹی میں جل رہے تھے۔ درخت کے پتے کھانے پر مجبور تھے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے تجربہ اور

چونکہ کم عمر تھیں اور ذہین زیرک بھی اس لیے ان کو اور خیال ہوتا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے ایک عمر رسیدہ بیوی کو آپ اتنا کیوں یاد فرماتے ہیں' کیوں بار بار تذکرہ کرتے ہیں۔ آخر کار ایک دن بول اٹھیں "آپ ایک بوڑھی عورت کا کیوں اتنا تذکرہ کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا کی ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں ملی' خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب تمام لوگوں نے انکار کیا' یہ تصدیق اس وقت کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا' اپنے مال سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا انہی سے مجھے اللہ تعالیٰ نے اولاد دی جبکہ دوسری بیویوں سے اولاد سے محروم رہا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن سے میں نے طے کر لیا اب کبھی بھی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ایسی بات نہ کہوں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہو' اسی وجہ سے آپ کے انتقال سے اتنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا غیر معمولی صدمہ پہنچا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو عام الحزن (غم کا سال) کہا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدا اور رسول کے نزدیک وہ مرتبہ حاصل تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سات آسمانوں کے اوپر سے ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچاتے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے رب کا سلام پہنچا دیجئے۔ اللہ رب العزت کا سلام سن کر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔ اللہ السلام' منہ السلام وعلی جبریل السلام۔

اللہ رب العالمین نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو جنت میں ایسے مکان کی خوشخبری دی جو موتی کا ہوگا۔ نہ اس میں کوئی شوروغوغا ہوگا نہ کسی طرح کی زحمت و پریشانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اس کی سب سے بہتر عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ راوی نے یہ کہتے ہوئے زمین و آسمان کے درمیان اشارہ کیا (یعنی زمین و آسمان کے درمیاں جتنی عورتیں ہیں ان میں یہ دونوں سب سے بہتر ہیں۔)

وہ زندگی میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب رہیں اور وفات کے بعد بھی حتیٰ کہ آپ ان کی سہیلیوں کی عزت فرماتے تھے‘ عورتوں مردوں میں ان سب کا اکرام فرماتے تھے جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعلق تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون تشریف لائیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اکرام فرمایا اور عزت وتوقیر کی‘ ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور اس پر انھیں بٹھایا جب وہ واپس تشریف لے گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا‘ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !یہ کون تھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا جایا کرتی تھیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو فرماتے ۔اسے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دو ایک دن میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بہت خیال فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن سے محبت کرتی تھیں میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔

صدق اللہ العظیم

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے انتقال فرما جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکران بن عمرو الانصاری کی بیوہ سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت سودہ ان مہاجرہ عورتوں میں سے تھیں جنھوں نے ایمان وعقیدہ کی خاطر اپنے گھر والوں اور اعزہ اقربا کو چھوڑ دیا تھا اور دین اسلام کی راہ میں طرح طرح کے مصائب ومشکلات جھیلی تھیں۔ آپ نے پہلی ہجرت اپنے شوہر کی معیت میں حبشہ کی طرف فرمائی۔ اس ہجرت سے انھوں نے اپنے اہل خاندان کو جو ذی وجاہت و طاقت ور لوگ تھے ناراض کیا اور ان کی ناراضگی کی کوئی پروا نہیں کی۔

پھر جب ہجرت حبشہ سے واپس ہوئی تو ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار صحابہ میں تھے۔ اپنے دین وعقیدہ میں پختہ اور اسلام کے فدائی تھے اپنے دین وعقیدہ کی حفاظت کی غرض سے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی' جب آپ کی وفات ہوگئی تو اپنے پیچھے نیک بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ کو بے سہارا چھوڑ گئے نہ کوئی کفالت کرنے والا نہ معین ومددگار' مکہ مکرمہ میں ان کو تنہا چھوڑ دیا شوہر کی وفات کے بعد اگر وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاتیں تو اہل خاندان ان کو مارتے ستاتے' دین اسلام سے ہٹا دینے کی کوشش کرتے' یہ بھی ممکن تھا کہ قتل کر دیتے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا حال زار معلوم ہوا اور یہ پتہ چلا کہ وہ اپنے اسلام پر ثابت قدم ہیں تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان کے خاندان کے لوگ ان پر سختی کریں گے ماریں گے' ستائیں گے اس لیے کہ وہ بڑے سخت دل اور خدا اور رسول کے دشمن ہیں تو اس نازک گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کفالت فرمائی اور کیوں نہ ہو کہ اپ ہمت حوصلہ مندی اور نصرت و تعاون کا اعلیٰ نمونہ تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں لینے کا پیغام بھیجا کہ اس طرح ان کو اسلام کا اور شوہر کے جدائی کے غم کا صلہ دیں اور وہ جس

مشکل وتنگی میں مبتلا ہیں اس سے نجات دلائیں اوراس نکاح کے ذریعہ ان کی قوم بنو عبدشمس سے بھی رشتہ جوڑ لیں جو بنو ہاشم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھتے ہیں۔

ان سے شادی کرلینا' ان کے جہاد' اخلاص اور شوہر کی جدائی کے غم کا بہترین بدلہ تھا' چنانچہ ایسا ہی ہوا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا پورا ہوا حضرت سودہ کے ساتھ اس حسن سلوک اور لطف وعنایت پر لوگوں نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور تعریف کی اوران کی قوم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت وعداوت کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ کم ہوگئی۔اور آپ کی موت و ہلاکت کا جو خدشہ واندیشہ لگا رہتا تھا وہ ختم ہوگیا۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نفسانی خواہش کی بنا پر شادی کی ہوتی تو اس بیوہ اور بوڑھی عورت کے بجائے جس کی عمر پچپن سال تھی قریش کی ان مومنہ ونوجوان لڑکیوں سے شادی کرتے جو باکرہ و پاک خو تھیں لیکن خدا کے مہربان وکریم النفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بہت بلند و برتر تھے۔آپ کی ساری کوشش دین کی کامیابی وترقی پر مرکوز تھی' کہ دین تمام لوگوں کے دلوں میں اتر اور بیٹھ جائے چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کی قوم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور دعوت کو پسند اوراس پر یقین کر کے صاحب دعوت کے اخلاق کریمانہ'بلند کرداری اور وفا شعاری کے شیدائی ہوکر جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ مضمون دراصل "سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تلخیص ہے کہیں کہیں قوسین میں بعض چیزوں کا اضافہ اور کچھ مزید مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے خصوصاً السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین محب الدین احمد الطبری (م ۶۹۴ھ) اور علامہ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء وغیرہ سے۔ اردو میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "سیرۃ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" سے بہتر کتاب موجود نہیں اس لیے نیا مضمون لکھنے کے بجائے اسی کی تلخیص مناسب ومفید معلوم ہوئی کہ سید صاحب نے سیرت نگاری اور ژرف نگاہی کا حق ادا کر دیا ہے اس تلخیص سے یہ بھی امید ہے کہ اس سے اصل کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ بھی ہو سکے گا' اہل علم کے لیے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ ابواب خاص طور پر مفید ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم واجتہاد اور ان کی تفسیری' حدیثی اور فقہی خدمات سے متعلق ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت وعبقریت کے بہت سے پہلو ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا (خاتون جنت) کے بعد اسلام میں انہی کا مقام ومرتبہ ہے' کسی انسان کی عظمت ومقبولیت کی یہ معراج ہے کہ اس کے حق میں وحی الٰہی نازل ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہو' جبریل امین اسے سلام کریں اور وہ روح القدس کی زیارت کرے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وفضیلت اور علوئے مرتبت کے لیے یہ شرف بہت کافی ہے کہ دین وشریعت کا ایک بڑا حصہ ان کی روایت ودرایت کے ذریعے قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گیا ہے اور تاقیام قیامت اس سے مستفید ہونے والوں کے ساتھ انہیں بھی اجر وثواب کا حصہ وافر ملتا رہے گا۔ یہ ان کی برگزیدہ شخصیت کی جامعیت وکاملیت ہی کا نتیجہ ہے کہ علوم اسلامیہ کی بیشتر شاخوں

میں ان کے علمی افادات وثمرات نظر آتے ہیں جن سے کوئی بھی اہل علم بے نیاز نہیں رہ سکتا بلکہ ہر خاص و عام مسلمان اپنے عقیدہ وعمل اور فکر ونظر اور ذوق ومزاج کی صحیح تشکیل کے لیے ان کی روایات وتحقیقات کا محتاج ہے اور بحیثیت مسلمان ان سے صرف نظر نہیں کر سکتا ہے۔

استاد سعید الافغانی کی تحقیق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۱۳۷ صحابہ و تابعین نیز ۱۸ خواتین نے روایت کی ہے (سیر اعلام النبلاء جز عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۱۷ دمشق ۱۹۴۵ء (سید صاحب نے تعداد ۳۶ لکھی ہے) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

"امت محمدیہ بلکہ خواتین عالم میں ان سے بڑی عالمہ خاتون میں علم میں نہیں"۔

ولا اعلم من امة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا فی النساء مطلقاً امراة اعلم منها (ایضاً ص:۱۸)

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کا تعلق ہے وہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"مردوں میں تو بہت سے کامل ہوئے مگر عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہوئیں اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید تمام کھانوں میں فائق ہے"۔

کمل من الرجال کثیر و لم یکمل من النساء الامریم بنت عمران و آسیہ امراة فرعون فضل عائشة علی النسا کفضل الثرید علی سائر الطعام (شیخین، ابوحاتم، ابن ماجہ اور ترمذی)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ اس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام عورتوں میں افضل ہیں کیونکہ ان کے علمی وعملی کمالات کی جامعیت کی مثال ثرید سے دی گئی جو عرب کا بہترین کھانا اور بے مثال غذا ہے (حاشیہ صحیح بخاری ۱/۵۳۲)

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''اگر کثرت علم مراد ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لامحالہ افضل ہیں اور اگر شرافت نسب ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضل ہیں'' اور کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی افضلیت پر تو اجماع ہے' اختلاف حضرت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہے'' (ایضاً نیز فتح الباری)

قسطلانی نے ابو امامہ بن النقاش کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تقدم اور اول اسلام میں ان کی تاثیر وتائید اور جان و مال سے اسلام کی نصرت میں ان کا کوئی شریک نہیں اسی طرح آخر اسلام میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثرات دینی امانت کو امت تک پہنچانے اور احادیث کے فہم میں ان کا کوئی شریک نہیں اور وہ سب سے ممتاز ہیں'' (المواہب اللدینہ بالمنح المحدیۃ)

علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب ''ملل ونحل'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں افضل قرار دیا ہے مگر یہ ان کا تفرد ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضہ اللہ تعالیٰ عنہا و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل تقریباً یکساں ہیں اور ابن تیمیہ کا رجحان اس مسئلے میں توقف کا ہے۔ ابن حبان نے فضل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ وہ ازواج میں افضل ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت اپنی ہے (فتح الباری) علما کا کہنا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آسیہ علیہا السلام کی فضیلت اپنے زمانے یا امم سابقہ کے لحاظ سے اور امت محمدیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث کے بموجب خواتین جنت یا خواتین عالم کی سردار

ہیں اور اسلام کی بنیادی و ابتدائی خدمات کے لحاظ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا اور تبلیغ دین و رسالت کے اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا افضلیت رکھتی ہیں۔ اختلاف روایات کو دیکھتے ہوئے علماء نے اس مسئلے میں خاموشی کو بھی ترجیح دی ہے مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں بھی اس مسئلے میں توقف بہتر ہے کہ یہ احادیث ظنی اور متعارض ہیں جو عقائد کے لیے کافی نہیں جو دلیل یقینی و قطعی پر مبنی ہوتے ہیں۔ (حاشیہ صحیح بخاری ۱/۵۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے فضائل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ سے تعلق خاطر بھی ہے چنانچہ انہی سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا موت میرے لیے اس طرح آسان ہوگی کہ مجھے تمہیں جنت میں میری زوجہ کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے''۔	قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یا عائشہ لیھون علی الموت انی اریتک زوجۃ فی الجنۃ

اس حدیث کی تخریج حافظ ابوالحسن خلعی اور حافظ دمشقی نے کی ہے اس مفہوم کی حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں بھی لکھی ہے۔ (السمط الثمین للطبری م ۶۹۴ھ ص ۴۰ حلب مکتبہ التراث الاسلامی)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے نزدیک سب سے عزیز کون ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا انھوں نے پوچھا کہ مردوں میں؟ فرمایا اس کے والد! انھوں نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالی عنہ! یہ حدیث شیخیں امام احمد اور ترمذی سے روایت ہے (ایضا ص ۴۲) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ

علیہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ "یہ حدیث روافض کے عقائد کے خلاف پڑتی ہے جس کے بموجب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے افضل ترین انسان اور افضل ترین خاتون کو محبوب رکھا تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبوں سے بغض رکھے گا وہ خود اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناپسندیدہ ٹھہرے گا۔ (سیر اعلام النبلاء جز عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۲۱ دمشق ۱۹۴۵)

بہ حیثیت مجموعی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات طیبہ مسلمان خواتین کے لیے مثالی زندگی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں ان کے لیے عبرت و بصیرت کا بڑا ذخیرہ ہے ان کا تقویٰ و طہارت اتباع سنت و حسن سیرت' حقوق نسواں کی حفاظت' عبادات کی پابندی و مداومت' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال کا بہ نظر غائر مشاہدہ اور سیرت نبوی کی روح اور منشا نبوت تک پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کی خواہش و کوشش حدیث و قرآن میں تدبر و تعمق' مسلمانوں کے اتحاد اور اجتماعیت کی حفاظت اور اس کے لیے سرفروشانہ جدوجہد اور اصلاح امت کا قومی جذبہ و داعیہ' اختلاف رائے اور عناد و مخالفت میں فرق و امتیاز اور قبول حق کے لیے ہم وقتی آمادگی' ان کی پاکیزہ اور مثالی سیرت کے ایسے پہلو ہیں جن میں مسلمان خواتین کی رہنمائی اور کردار سازی کا پورا سامان موجود ہے۔

سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اہمیت:

مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

آج مسلمانوں کے اس دور انحطاط میں ان کے انحطاط کا بحصہ رسدی آدھا سبب عورت ہے' وہم پرستی' قبر پرستی' جاہلانہ مراسم غم و شادی کے موقعوں پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لیے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان بی بیوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی روح مردہ ہوگئی ہے شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے مسلمان عورت کی زندگی کا کوئی مکمل نمونہ

نہیں۔

آج ہم ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں جو نبوت عظمیٰ کی نو سالہ مشارکت زندگی کی بنا پر خواتین خیر القرون کے حرم میں کم و بیش ۴۰ برس تک شمع ہدایت رہی۔

ایک مسلمان عورت کے لیے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات' انقلابات اور مصائب' شادی' رخصتی' سسرال' شوہر' سوکن' لاولدی' بیوگی' غربت خانہ داری' رشک و حسد غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لیے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں پھر علمی' عملی' اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے اس لیے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لیے آئینہ خانہ ہے جس میں صاف طور سے یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے۔

ایک خاص نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت مبارکہ نہ صرف اس لیے قابل مطالعہ ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ دنیا کے بزرگ ترین انسان کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے جو ''مراۃ کاملہ'' (کامل عورت) کا بہترین مرقع ہے۔

نام ونسب' خاندان:

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدیقہ لقب' ام المومنین خطاب' ام عبداللہ کنیت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت سے رکھی گئی جو حضرت اسما (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی بہن کے لڑکے تھے)والد ماجد یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے قریشیہ تمیمہ اور ماں ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے کنانیہ ہیں شوال ۹

؁ قبل ہجرت یا ۵؁ نبوی (جولائی ۶۱۴ء) میں ولادت ہوئی۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں۔اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا (بخاری ۲/۵۵۲ مصححہ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

بچپن:

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنے حرکات وسکنات اور نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں ان کے ایک ایک خط وخال میں کشش ہوتی ہے ان کے ناصیہ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں، بچپن ہی میں ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے تاہم بچہ بچہ ہی ہے وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلنا ہی اس کی عمر کا تقاضا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں محلّہ کی لڑکیاں ان کے پاس جمع رہتیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں لیکن اسی لڑکپن اور کھیل کود میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ہر وقت ملحوظ رہتا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھیلتی ہوتیں اردگرد سہیلیوں کا ہجوم ہوتا کہ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ جاتے اور وہ جلدی سے گڑیوں کو چھپا لیتیں، سہیلیاں آپ کو دیکھ کر ادھر ادھر چھپ جاتیں لیکن چونکہ آپ بچوں سے خاص محبت رکھتے تھے اور ان کے کھیل کود کو برا نہیں سمجھتے تھے اس لیے لڑکیوں کو پھر بلا بلا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کھیلنے کو کہتے تھے (ابن ماجہ باب مدارات النساء صحیح مسلم فضل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام کھیلوں میں ان کو دو کھیل

زیادہ مرغوب تھے' گڑیاں کھیلنا اور جھولا جھولنا (ابو داود کتاب الادب)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ گئے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے آپ نے استفسار فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ گھوڑا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے؟ انھوں نے برجستہ کہا' کیوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بے ساختہ جواب پر مسکرا دیے (مشکوۃ باب عشرۃ النساء) اس واقعہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فطری حاضر جوابی' مذہبی واقفیت' ذکاوت ذہن اور سرعت فہم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انھیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں ان کی روایت کرتی تھیں' ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں۔ لڑکپن کے جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ میں جب یہ آیت بل الساعة موعدهم والساعة ادهی وامر نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی۔ ہجرت کے وقت ان کا سن آٹھ برس کا تھا لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام و مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے۔ (صحیح بخاری باب الہجرۃ)

شادی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کا رمضان ۱۰ نبوت میں ہجرت سے تین برس پہلے انتقال ہوا۔ ایسی رفیق و غم گسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ملول رہا کرتے تھے بلکہ اس تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہوگئی تھی (ابن سعد) جاں نثاروں کو اس کی بڑی فکر ہوئی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں ان کی بیوی خولہ بنت کلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ دوسرا نکاح کرلیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس سے؟ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور کنواری ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ارشاد ہوا بہتر ہے تم ان کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پا کر پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور ان سے تذکرہ کیا' حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خولہ! عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھتیجی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا نکاح کیوں کر ہوسکتا ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابو بکر میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے (صحیح بخاری باب تزویج الصغار من الکبار) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے قبول کرلیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم سن بچی تھیں۔ کبھی کبھی بچپن کے تقاضے سے ماں کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر بیٹھتیں تھیں تو ماں سزا دیتی تھیں' آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں دیکھتے تو رنج ہوتا۔ اس بنا پر حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تاکید فرما دی تھی کہ میری خاطر ان کو ستانا نہیں (یا ام رومان استوصی بعائشة خیر او احفظنی فیها)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کواڑ سے لگ کر رو رہی ہیں (اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی آبدیدہ ہو گئے) اور ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ تم نے میری بات کا لحاظ نہیں کیا' انھوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ باپ سے میری بات جا کر لگا آتی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ بھی کرے لیکن اس کو ستاؤ نہیں (مستدرک حاکم نیز نساء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از دکتورہ عائشہ بنت الشاطی ص ۶۳)

حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا یہ آپ کی بیوی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں (صحیح بخاری مناقب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو وہ اس وقت چھ برس کی تھیں۔ اس کم سنی کی شادی کا اصل منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی۔ ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت ہے۔ دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے اسی طرح قدو قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے۔ بہر حال اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھجوا دیے (طبقات ابن سعد ۴۳) اس واقعہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو مہر کو دنیا کا وہ قرض سمجھتے ہیں جو ادائیگی کی منت سے بے نیاز ہے' مہر عورت کا حق ہے اور اس کو ملنا چاہیے۔

مدینہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سسرال تھی انصار کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں' حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹی کو آواز دی' وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں' آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی دوڑی آئیں' ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑے دروازہ تک لائی' وہاں منہ دھلا کر بال سنوار دیے پھر ان کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ دلہن جب اندر داخل ہوئی تو مہمانوں نے علی الخیر والبرکة وعلی خیر طائر یعنی تمہارا آنا خیر و برکت اور فال نیک ہو کہہ کر استقبال کیا' دلہن کو سنوارا تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے۔ (صحیح بخاری ۲/۵۵۱)

تعلیم و تربیت:

نوشت و خواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے۔ حقیقی تعلیم و تربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے' انسانیت کی تکمیل' اخلاق کا تزکیہ' ضروریات دین سے واقفیت' اسرار شریعت کی آگاہی' کلام الٰہی کی معرفت' احکام نبوی کا علم بھی اعلیٰ تعلیم ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس تعلیم سے کامل طور پر بہرہ اندوز تھیں' علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ ادب اور طب میں بھی ان کو ید طولا حاصل تھا (مستدرک حاکم ذکر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

علوم دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا معلم شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود گھر میں تھے اور شب و روز ان کی صحبت میسر تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و

ارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں جو حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بالکل ملحق تھی' اس بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو درس دیتے تھے وہ اس میں شریک رہتی تھیں اگر کبھی بعد کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زنان خانہ میں تشریف لاتے دوبارہ پوچھ کر تشفی کر لیتیں۔ (مسند احمد ۶ / ۱۷۵) کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں (ایضا ۶ / ۲۰۶) اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لیے متعین فرما دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سینکڑوں مسائل میں اور آیات قرآنی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مشکل بات کی وضاحت چاہتی تھیں' خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی ذہنی و عملی تربیت کا خیال رکھتے تھے اور بر وقت تنبیہ اور فہمائش بھی فرماتے تھے' اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بدولت قیامت تک کے لیے امت کے سامنے سنت نبوی اور تعلیمات قرآنی کے بہت سے پہلو نکھر کر سامنے آ گئے۔ فجزاها اللّٰه عنها خيرا لجزاء سید صاحب نے اس باب میں بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں' یہاں چند پیش کی جاتی ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ انھیں کیسی عقل رسا فہم و ذکا اور کیسی دقیقہ رس طبیعت ملی تھی۔

ایک دن یہ پوچھا تھا کہ کفار و مشرکین نے اگر عمل صالح کیا ہے تو اس کا ثواب ان کو ملے گا یا نہیں؟ عبداللہ بن جدعان مکہ کا ایک نیک مزاج اور رحمدل مشرک تھا' اسلام سے پہلے قریش کی باہمی خونریزی کے انسداد کے لیے اس نے تمام روسائے قریش کو مجمع کر کے ایک صلح کی مجلس قائم کی تھی جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں لوگوں سے بہ مہربانی پیش آتا تھا'

غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا یہ عمل اس کو کچھ فائدہ دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا نہیں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ خدایا قیامت میں میری خطا معاف کرنا (مسند احمد ۶/۹۳)۔

جہاد اسلام کا ایک فرض ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں زن و مرد کی تمیز نہیں یہ فرض عورتوں پر بھی واجب ہوگا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا' ارشاد ہوا "عورتوں کے لیے حج ہی جہاد ہے" (بخاری: حج النساء)

عام طور سے لوگ اور خصوصاً عورتیں معمولی گناہوں کی پروا نہیں کرتیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا' یا عائشة ایاک و محقرات الذنوب "(عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو) (مسند احمد ۶/۱۷۰)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی عورت کا حال بیان کر رہی تھیں اثنائے گفتگو میں بولیں کہ وہ پست قد ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ٹوکا کہ عائشہؓ یہ بھی غیبت ہے (ایضاً ۶/۲۰۶) حضرت صفیہ کسی قدر پست تھیں' ایک دن انھوں نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس کیجیے صفیہ تو اتنی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر کے پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو یعنی یہ غیبت ایسی تلخ بات ہے کہ سمندر کے پانی میں ملا دی جائے تو کل پانی بدمزہ ہو جائے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے تو ایک شخص کی نسبت واقعہ بیان کیا' فرمایا کہ اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی یہ بیان نہ کروں (ایضاً ۶/۱۷۰)

ایک دن کسی سائل نے سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اشارہ کیا تو لونڈی ذرا سی چیز لے کر دینے چلی' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ خدا تم کو بھی گن گن کر دے گا۔ (ابو داؤد : کتاب الادب)

خانہ داری:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی بلند اور عالی شان عمارت نہ تھی' بنی نجار کے محلّہ میں مسجد نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے' انہی میں ایک حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسکن تھا' یہ حجرہ مسجد کی مشرقی جانب واقع تھا (خلاصتہ الوفا للسمہودی باب نمبر ۲ فصل ۴)۔اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رخ اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی دروازے سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالوں میں کنگھا کر دیتیں۔(مسند احمد ۶/۲۳۱)

کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے (صحیح بخاری : کتاب الحیض) حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقّف تھا اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا' دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا پردہ کے طور پر ایک کمبل (السمہودی باب ۲ فصل ۴) پڑا رہتا تھا' حجرہ سے متعلق ایک بالاخانہ تھا جس کو مشربہ کہتے تھے' ایلاء کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بالاخانہ پر ایک مہینہ بسر فرمایا تھا (ابو داؤد صلاۃ الامام قاعداً) گھر کی کل کائنات ایک چارپائی ایک چٹائی' ایک بستر' ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی' آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے' پانی کے ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی' مسکن مبارک گو منبع انوار تھا

ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا چنانچہ لوگ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی تھی (بخاری ۱/۵۳۲)۔ اور ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا تھا لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آمادہ کیا' وہ پیام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' لخت جگر! جس کو میں چاہوں تم نہیں چاہو گی؟ سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اتنا ہی کافی تھا وہ واپس چلی آئیں' ازواج نے پھر بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں (ایضاً باب الھدایا) آخر لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیچ میں ڈالا وہ نہایت سنجیدہ اور متین بیوی تھیں۔ انھوں نے موقع پا کر متانت و سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ام سلمہ مجھ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں دق نہ کرو کیونکہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی (یا ام سلمة لا توذینی فی عائشة فانه واللّٰہ ما نزل علی الوحی فی لحاف امراۃ منکن غیرھا) (احمد ترمذی بخاری ونسائی بحوالہ السمط الثمین ص ۴۸ حلب مکتبہ: التراث الاسلامی)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے تو دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں ارشاد ہوا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کی نسبت سوال ہے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کو (صحیح بخاری ۱/۵۱۷) ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سمجھایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ریس نہ کیا کرو وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہیں۔ (بخاری حب الرجل لبعض نساہ)

عام لوگ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت حسن و جمال کی بنا پر تھی' حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے ازواج میں وہی زیادہ منظور نظر ہوتیں جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آ سکتی تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فہم مسائل اجتہاد فکر اور اجتہاد احکام میں تمام ازواج سے ممتاز تھیں اس بنا پر شوہر کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

شوہر سے محبت:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ شغف اور عشق تھا' اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا کبھی راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیدا ہوتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں۔ ایک دفعہ شب کو آنکھ کھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پایا راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں آخر ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک ملا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر بسجود مناجات الٰہی میں مصروف ہیں۔ (موطا مالک :باب ماجا فی الدعا)

ایک دفعہ اور یہی واقعہ پیش آیا تو شک سے خیال کیا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں دیکھا تو آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں' اپنے تصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا ''میرے ماں باپ قربان میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں۔'' (نسائی :باب الغیرہ)

آپ اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زانو پر سر رکھ کے سو جاتے' آپ ایک

دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب راحت میں خلل ہوگا۔(بخاری:باب تیمم)

بیوی کی مدارات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی انسانی معاشرت کے لیے نمونہ تھی'اس بنا پر صرف اس تعلیم کے لیے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہیے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے'چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کھیل کود پر بھی مسرت ظاہر فرماتے تھے۔ایک دفعہ عید کا دن تھا حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے'حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ تماشہ دیکھنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہوگئیں اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر اوٹ کیے کھڑے رہے۔(بخاری:حسن معاشرہ)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے انھوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً آڑے آگئے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے گئے تو فرمایا کہو میں نے تم کو کیسا بچایا؟(ابوداؤد کتاب الادب)

دل بہلانے کے لیے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی قصہ سناتے اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنتے' چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گیارہ بیویوں کی زبان سے ان کے قصے سنائے جن کے اخیر میں ام

زرع اپنے شوہر کی سب سے بڑھ کر تعریف کرتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحمل کے ساتھ' دیر تک یہ کہانی سنتے رہے پھر فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ابو زرع ام زرع کے لیے لیکن عین اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی لطف ومحبت کی باتوں میں مصروف ہوتے' دفعتہً اذان کی آواز آتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو پہچانتے ہی نہیں ۔(احیاء العلوم لغزالی باب اشتراط الخشوع بخاری باب کیف یکون الرجل فی اہلہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک دستر خوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے' کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چوستی تھیں' پیالہ میں وہیں پر منھ رکھ کر پیتے تھے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منھ لگاتی تھیں ۔(مسند احمد ۶/۶۴)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہ سواری اور تیر اندازی کا بہت شوق تھا صحابہ کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور خود اپنے سامنے لوگوں سے اس کی مشق کراتے تھے' ایک غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رفیق سفر تھیں' تمام صحابہ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا آؤ دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے' یہ دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں کئی سال کے بعد اسی قسم کا پھر ایک اور موقع آیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اب میں بھاری بھر کم ہوگئی تھی اب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے نکل گئے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ اس دن کا جواب ہے ۔(ابو داؤد: باب السبق)

غایت تعلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی اکثر معاملات میں دل داری اور ناز برداری فرماتے تھے' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف شروع کی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کے مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا پھر فرمایا۔ یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائیں اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو انہوں نے میری تصدیق کی اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی اور اس سے اللہ نے مجھے اولاد عطا کی جب کہ دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم کیا۔ (مسند احمد ۱۱۸/۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ لگ جاتا ہے' ناراض ہوتی ہو تو ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی قسم اور خوش رہتی ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کی قسم کھاتی ہو' عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔ (صحیح بخاری باب مایجوز من الہجران)

اطاعت اور احکام کی پیروی:

بیوی کا سب سے بڑا جوہر شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑے شوق سے

دروازہ پر ایک مصور پردہ لٹکایا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی فوراً تیوری پر بل پڑ گئے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ دیکھ کر سہم گئیں' عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قصور معاف مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے داخل نہیں ہوتے یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا اور اس کو اور مصرف میں لے آئیں۔ (بخاری کتاب اللباس)

اوپر گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فیاضی کی تعلیم دی تھی اس کا یہ اثر تھا کہ وہ مرتے دم تک اس فرض سے غافل نہ رہیں انھوں نے جہاد کی اجازت چاہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے' اس حکم کے سننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال کم تر حج سے خالی جاتا تھا۔ (بخاری: حج النساء)

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں کچھ کپڑا اور کچھ نقد روپیہ بھیجا' پہلے واپس کر دیا پھر لوٹا کر قبول کر لیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بات یاد آ گئی ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۵۹)

ایک دفعہ عرفہ کے دن روزہ سے تھیں گرمی اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیے جا رہے تھے کسی نے مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجیے۔ فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو میں روزہ توڑ سکتی ہوں۔؟ (ایضاً ۶/ ۱۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھ کر وہ بھی برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں نہ مانوں۔ (ایضاً ۶/ ۱۳۸)

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ:

عورت کے لیے دنیا کی سب سے تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سے لے کر آٹھ آٹھ سوکنوں تک ایک ساتھ رہی ہیں تاہم شرف صحبت کے پرتو سے یہ آئینے ہر قسم کے زنگ وغبار سے پاک تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی اسباب سے مختلف اوقات میں دس نکاح کیے ان میں سے ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن سے ۳ھ میں نکاح ہوا تھا صرف دو تین مہینے زندہ رہیں باقی نو بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک زندہ تھیں۔

حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آگے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دو چار برس کے بعد جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو خیال ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو طلاق دے دیں اور وہ شرف صحبت سے محروم ہو جائیں اس بنا پر انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی اور انھوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ (صحیحین کتاب النساء) حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ بے حد معترف تھیں فرماتی تھیں کہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی گو ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی ضرور تھی۔ (صحیح مسلم: کتاب النکاح)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ھ میں ازواج میں داخل ہوئیں اسی بنا پر تقریباً ۸ برس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہیں ان دونوں میں ایک صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پارہ جگر تھی اور دوسری فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرۃ العین' دونوں میں نہایت لطف ومحبت تھی تمام امور خانگی میں دونوں کی ایک رائے ہوتی اور برابر کی شریک رہتی تھیں' دیگر ازواج کے مقابلہ میں یہ دونوں ایک دوسرے کی حامی تھیں۔ (بخاری باب الہدایا ابن سعد ترجمہ جویریہؓ)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بھی کوئی اختلاف مذکور نہیں البتہ وہ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر گھبرا اٹھی تھیں کہ ان کے مقابلہ میں ان کا رتبہ کم نہ ہو جائے لیکن آخر ان کا خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کی قدر و منزلت کے اسباب ہی کچھ اور تھے اس کا تعلق ظاہری حسن سے کچھ نہ تھا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان چشمک کے ایک دو واقعات کے سوا اور کچھ مذکور نہیں' بلکہ دونوں نے بعض نازک مواقع پر ایک دوسرے کی مدد کی اور صفائی دی یہی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حلقہ ازواج میں داخل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک باد دی (بخاری تفسیر لا ید خلوا بیوت النبی) ادھر کا حال سنیے مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام لگایا ہے تو بہن کی محبت میں حمنہ بنت جحش بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئیں لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قدم حق و صداقت کے راستے سے ذرا بھی نہیں ہٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت دریافت فرمایا تو انھوں نے صاف کہا:۔

ما علمت فیھا الا خیرا (خوبی کے سوا ان میں اور کچھ میں نے نہیں جانا) اگر وہ چاہتیں تو ایک ہی فقرہ میں اپنے حریف کو شکست دے سکتی تھیں لیکن شرف صحبت نے ان کمزوریوں سے ان کو بالاتر کر دیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے اس احسان اور خوبی کی یاد ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ رکھتی تھیں۔ (بخاری واقعہ افک) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس کے بعد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش آئیں تمام بیویوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قدر و منزلت میں انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ دین دار' زیادہ پرہیز گار' زیادہ

راست گفتار، زیادہ فیاض، سخی، مخیر اور اللہ تعالیٰ کی تقرب جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم باب فضل عائشہ)۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چار سوتیلی بیٹیاں تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا اور سب اپنی اپنی سسرال جا چکی تھیں اس کے علاوہ ان میں سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کے ایک ہی سال بعد انتقال ہو گیا البتہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بترتیب ۸ھ اور ۹ھ میں وفات پائی اور ۷ برس ان کے سامنے زندہ رہیں تاہم کوئی باہمی آزردگی کا واقعہ مذکور نہیں۔

وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف میں کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی اور بہترین انسان کبھی نہیں دیکھا۔ (زرقانی بحوالہ معجم اوسط طبرانی) ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔؟ بولیں فاطمہ! کہتی ہیں میں نے فاطمہ سے زیادہ نشست و برخاست کا طور طریقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا جب آپ کی خدمت میں وہ آتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرو قد کھڑے ہو جاتے پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں ہاتھ کو

بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں (ترمذی باب الثاقب) وہ خاص حدیث جس حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے اہل بیت اور آل عبا میں ہونے کا ذکر ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ہی کے ذریعہ سے مروی ہے۔ (مسلم: باب الفضائل)

واقعہ افک:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی محبوب ترین زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا صدیقہ پر الزام دہی کے اس المیہ کے ذریعے منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا جو (اوچھا) حربہ استعمال کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انہی کو رسوا کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی برات کا ایسا اعلان کیا جو قیامت تک دہرایا جاتا رہے گا اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بنت صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی عظمت و رفعت کا طرہ امتیاز بنا رہے گا اس کے ساتھ ہی اس میں اسلام کے معاشرتی نظام کے لیے اصول و اساس بھی بنا رہے گا۔

منافقین کی کوششوں کی سب سے ذلیل مثال افک یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس منافق گروہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ تھے اس بنا پر حرم نبوت اور بارگاہ خلافت کی شہزادیوں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بدنام کرنے میں ان کی ناکام کوششوں کا بڑا حصہ صرف ہوا۔

نجد کے قریب مریسیع نامی بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا شعبان ۵ھ میں مسلمان اسی چشمہ کے پاس ان سے معرکہ آراء ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہرات میں سے جن کے نام پر قرعہ پڑتا وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں اس طریقہ سے اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا ہمرکابی میں تھیں چلتے وقت اپنی بہن اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک ہار عاریتہً پہننے کو مانگ لیا تھا وہ ان کے گلے میں تھا ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۱۴ برس کی تھی یہ عورت کا وہ زمانہ ہے جس میں اس کے نزدیک معمولی سا زیور بھی گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کر لی جا سکتی ہے۔

سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے محمل پر سوار ہوتیں ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اس قدر دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں؟ ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا پچھلے پہر پھر وہ روانگی کو تیار تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضائے حاجت کے لیے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا' دیکھا تو ہار نہ تھا' ایک تو کم سنی اور پھر مانگے کی چیز' گھبرا کر وہیں ڈھونڈھنے لگیں' سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہی ہار ڈھونڈ کر واپس آ جاؤں گی' اس بنا پر نہ کسی کو واقعہ کی اطلاع دی نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا۔ ادھر قافلہ چل چکا تھا پڑاؤ پر آئیں تو سناٹا تھا۔

مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑ رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئیں گے صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی تھے جو ساقہ (ایر گارڈ) یعنی چھوٹے چھاٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لیے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے' صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سوار نظر آیا' حکم حجاب سے پہلے جو اسی سال نازل ہو چکا تھا انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو

دیکھا تھا' دیکھتے ہی پہچان لیا' پاس آ کر اِنَّا لِلّٰہ پڑھا آواز سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سوتے سے چونک پڑیں صفوان نے اونٹ بٹھایا اور ان کو سوار کر کے اگلی منزل کا راستہ لیا' قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے سے نظر آیا' صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا محمل میں سوار تھیں یہ نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے۔

ہندوؤں میں سیتا پر اور بنی اسرائیل میں حضرت مریم علیہ السلام پر جو کچھ گزری اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا' عبداللہ بن ابی نے کہ جس کا زخم ابھی تازہ تھا یہ مشہور کیا کہ نعوذباللہ اب وہ پاک دامن نہ رہیں جا بجا اس خبر کو پھیلانا شروع کیا' نیک دل مسلمانوں نے اس افواہ کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ

اب تک ناصرہ اسلام کی مریم ان واقعات سے بے خبر تھیں اتفاقاً وہ ایک شب مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کو آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ مسطح کی ماں کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی انھوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک صحابی کو گالی دیتی ہو؟ مسطح کی ماں نے واقعہ بیان کیا' سننے کے ساتھ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہتی ہیں کہ بدحواسی میں اپنی ضرورت بھول گئیں اور یوں ہی لوٹ آئیں تاہم ان کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں آیا' سیدھی میکہ آئیں' ماں سے پوچھا تو انھوں نے تسکین دی۔ اتنے میں ایک انصاریہ آ گئی اس نے پوری داستان دہرائی اب شک کا کیا موقع تھا سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ والدین نے سنبھالا اور سمجھا بجھا کر رخصت کیا یہاں پہنچ کر شدت کا بخار اور لرزہ آیا اور اس حالت میں انسان کو طرح طرح کا خیال آتا ہے اور ذرا ذرا سی بات سے بد گمان ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے تشریف لائے اور کھڑے کھڑے پوچھ لیتے کہ اب ان کا کیا حال ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو خیال ہوا

کہ بیماری میں اگلا سا التفات میرے حال پرنہیں‘اس بناپر اجازت لے کر وہ پھیر میکہ چلی آئیں دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے‘ کہتی ہیں نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا‘باپ لطف ومحبت سے سمجھاتے تھے کہ روتے روتے تمہارا کلیجہ نہ پھٹ جائے ماں دلا سا دیتی تھیں کہ جو بیوی اپنے شوہر کو چہیتی ہوتی ہے اس کو اس قسم کے صدمے اٹھانے ہی پڑتے ہیں‘ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنویں میں گر کر جان دے دیں۔صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجو گوئی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی خدا کی قسم اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ سے ہاتھ میں تلوار لے کر حضرت حسان کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا۔

تلق ذباب السیف منی   غلام اذا ھو جیت لست

فانی   بشاعر

(مجھ سے تلوار کی یہ دھار لو‘میں نوجوان ہوں جب میری ہجو ہو‘میں شاعر نہیں)

وہ پکڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر کیے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضے میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جائداد عنایت فرمائی۔گو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے گناہی مسلم تھی تاہم شریروں کے منہ بند کرنے کے لیے تحقیق ضروری تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ طلب کیا حضرت اسامہ نے تسکین دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات کی‘حضرت علی نے کہا دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں (یعنی اگر لوگوں کے کہنے کی پرواہو تو طلاق دے دیجیے) اور خادمہ سے پوچھ لیجیے وہ سچ سچ بتا دے گی۔ان سے کنایۃً پوچھا گیا تو واقعہ اتنا مستبعد تھا کہ سمجھ بھی نہ سکی‘وہ عام خانہ داری کے متعلق ان کی حالت کا استفسار سمجھی‘بولی اور تو کوئی برائی نہیں ہاں بچپن ہے سوتی ہیں تو بکری آتا

کھا جاتی ہے؟ آخر صاف لفظوں میں اس سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا ''سبحان اللہ خدا کی قسم جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں ۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا اور ان کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک بھی تھیں اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے بھی دریافت کی انھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بھلائی کے سوا اور میں کچھ نہیں جانتی اس کے بعد آپ نے مسجد میں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر میں حرم نبوت کی پاکی و طہارت اور عبداللہ بن ابی کی خباثت کا ذکر کیا۔

یہاں سے اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے وہ بستر علالت پر پڑی تھیں آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خطاب کر کے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو خدا قبول کرے گا ورنہ خدا تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا' والدین کو اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا' یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعتہً خشک ہو گئے ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا دل نے اپنی برات کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں اگر میں اقرار کر لوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا اگر انکار کر دوں تو لوگ کب باور کریں گے ۔ میرا حال اس وقت یوسف علیہ السلام کے باپ کا سا ہے جنھوں نے کہا تھا ''فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ''

اب وہ وقت تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہو بالآخر وہ گویا ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی 'پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا' پیشانی پر اطہر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں ۔اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ (سورہ نور) ماں نے کہا لو بیٹی اٹھو اور شوہر کے قدم لو' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نسوانی غرور وناز کے ساتھ جواب دیا میں صرف اپنے خدا کی شکرگزار ہوں کسی اور کی ممنون نہیں ۔

اس کے بعد قانون ازالہ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو ۸۰'۸۰ اسی کوڑوں کی سزا دی گئی ۔حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جرم کے کنارہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منقبت میں چند شعر کہے جو ابن اسحاق کی روایت سے اس کی سیرت میں منقول ہیں بخاری میں اس قدر ہے کہ حضرت حسان نے اپنے چند شعر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنائے جن میں سے ایک یہ تھا۔

حصان رزان ماتزن بریبة وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

(پاک دامن ہے باوقار ہے مشتبہ نہیں ہے بھولی بھالی عورت کے بدن کا گوشت نہیں کھاتی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ شعر سن کر کہا "یہ سچ ہے مگر تم ایسے نہیں ہو" یہ اشارہ ان کے واقعہ تہمت میں شرکت کی طرف تھا۔

تیمّم کے حکم کا نزول:

ایک اور سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں' وہی ہار گلے میں تھا قافلہ واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا' گزشتہ واقعہ سے ان کو تنبیہ ہو گئی تھی فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا صبح قریب تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاؤ ڈال دیا اور ایک آدمی اس کے ڈھونڈنے کو دوڑایا' اتفاق

یہ کہ جہاں فوج نے منزل کی تھی وہاں پر پانی مطلق نہ تھا' نماز کا وقت آ گیا لوگ گھبرائے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ کر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے وہ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں بیٹی کو کہا کہ ہر روز تم نئی مصیبت سب کے سر لاتی ہو' اور غصہ سے ان کے پہلو میں کئی کونچے دیے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

اسی موقع پر آیت تیمم نازل ہوئی ابھی ابھی مجاہدین کا پرجوش گروہ جو اس مصیبت میں تلملا رہا تھا اس ابر رحمت کو دیکھ کر مسرت سے لبریز ہو گیا' اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بڑے پائے کے صحابی تھے جوش مسرت میں بول اٹھے اے صدیق کے گھر والو! اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں' صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی اپنی لخت جگر کی تادیب کے لیے بے قرار تھے فخر کے ساتھ صاحبزادی کو خطاب کر کے فرمایا۔ جان پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے کہ تیرے ذریعہ سے خدا نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی۔ (مسند احمد ۶/۲۷۳) اس کے بعد قافلہ کی روانگی کے لیے جب اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اسی کے نیچے ہار پڑا ملا۔ (بخاری کتاب تیمم)

تحریم' ایلاء اور تخییر :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر بعد ازواج مطہرات سے تھوڑی تھوڑی دیر ملتے تھے' کچھ دنوں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں شہد تناول فرمانے کے سبب کچھ دیر تک تشریف فرما رہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر ازواج نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شہد کی بو کا ذکر کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نظافت طبع کے باعث شہد نہ کھانے کا عہد کر لیا' اس پر تنبیہ کے طور

پر سورہ تحریم کی آیات نازل ہوئیں کہ آپ ازواج کی مرضی کے مطابق ایک حلال شے کو حرام کیوں قرار دے رہے ہیں؟ دوسری طرف ازواج مطہرات کو بھی فہمائش کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں ان کا کوئی مظاہرہ جائز نہیں ' چنانچہ فرمایا گیا۔

"اگر تم دونوں خدا کی بارگاہ میں رجوع کرو (تو تمہارے لیے کوئی ایسی مشکل بات نہیں) کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم دونوں نے اس پر ایکا کر لیا تو بھی (اے منافقین یہ کوئی ایسی بات نہیں) خدا پیغمبر کا آقا ہے اور جبرئیل مومنین صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔ (آیت کا یہ ترجمہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق کے بعد لکھا ہے"۔)

ان تتوبا الیہ فقد صغت قلوبکما وان تظھرا علیہ فان اللّٰہ ھو مولہ و جبریل وصالح المومنین والملٰکۃ بعد ذلک ظھیر.

ایلاء:

تحریم وایلاء کے واقعات ۹ھ میں پیش آئے۔ فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات کے نفقہ میں اضافہ ہوا مگر وہ ان کی ضروریات اور فیاضی کے سبب ناکافی تھا اس لیے ازواج نے مزید اضافہ کا مطالبہ کیا جو آپ کو ناگوار ہوا۔ اس درمیان حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی تنبیہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئیں مگر دوسری ازواج اس پر قائم رہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک ان سے علیحدگی کا عہد کیا اور حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے متصل ایک بالا خانہ پر مقیم ہو گئے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیویوں کو

طلاق دے دی ہے اس خبر سے صحابہ ؓ میں اضطراب پیدا ہو گیا اور ازواج مطہرات غمزدہ ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو جب خبر ہوئی تو وہ مسجد نبوی میں آئے تمام صحابہ ملول اور چپ تھے' حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی' دوبارہ کوئی جواب نہ ملا تیسری دفعہ اجازت ہوئی دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توشہ خانے میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ ارشاد ہوا نہیں عرض کی کیا میں یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سنا دوں' اجازت پا کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں میں ایک ایک روز گنتی تھی ۲۹ دن ہوئے تو آپ بالاخانہ سے اتر آئے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا ابھی تو ۲۹ ہی دن ہوئے ہیں ارشاد ہوا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

اسی سلسلے میں آیت تخییر نازل ہوئی (احزاب) جس میں ازواج کو فقر و فاقہ کے ساتھ شرف صحبت یا متاع دنیا کے ساتھ رخصتی کا اختیار دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے رائے لی اور انھوں نے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کیا اور دوسری ازواج نے بھی ان کی پیروی کی۔

بیوگی کا دور:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر آخرت اختیار کیا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور آخری علالت کی تفصیلات کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی راوی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری مبارک احوال امت تک انہی کے واسطے سے پہنچے ہیں۔) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد انہی کے حجرہ کو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں انھوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے (موطا امام مالک' ماجاًفی دفن المیت) بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے

۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انھوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کیے جب تک زندہ رہیں اسی مزار اقدس کی مجاور رہیں اور قبر نبوی کے پاس ہی سوتی تھیں' ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا (ابن سعد ۲/۸۵) تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے حجاب وہاں آتی جاتی تھیں کہ ایک شوہر تھا دوسرا باپ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے حیاء

آتا ہے۔

عہد صدیقی:

اب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پدر بزرگوار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن تھے' ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یاد دلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا کہ میرا کوئی وارث نہ ہوگا میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے یہ سن کر سب خاموش ہوگئیں (بخاری کتاب الفرائض) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس فیاضی کی جو ترکہ کے باب میں انھوں نے کی ہے اس کی اس وقت اور قدر بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ جس دن وہ بیوہ ہوئیں اسی کی شام کو گھر میں برکت تھی۔(ترمذی: کتاب الادب)

عہد فاروقی:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد مبارک نظم ونسق کے لحاظ سے ممتاز تھا انھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظیفہ مقرر کردیے تھے قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ تمام ازواج مطہرات کو برابر بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا دوسری روایت جس کو حاکم نے صحت میں بخاری ومسلم کی ہمرتبہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ دیگر ازواج کے لیے دس دس ہزار اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بارہ ہزار سالانہ وظیفہ تھا۔(مستدرک ذکر عائشہ) اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا تھا کہ ان کو میں دو ہزار اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تھیں۔ازواج مطہرات کی تعداد کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹ پیالے تیار کرائے تھے جب کوئی چیز آتی ایک ایک پیالہ میں کر کے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے (موطا' جزیہ اہل

نہ ہوا ہوگا اور مسلمانوں کو اس ابتری کی حالت میں دیکھ کر ان کو کیسا دکھ ہوا ہوگا اور خصوصاً جب ان کو نظر آیا ہوگا کہ اس گتھی کو سلجھانے والا کوئی دوسرا نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات فرائض امامت کے منافی ہیں اور خود اسلام نے امام کے لیے جو ضروری شرائط قرار دیے ہیں ان سے یہ جنس لطیف کبھی عہدہ بر آ نہیں ہو سکتی اس لیے وہ امامت جمہور و خلافت الٰہی کے فرائض سے سبکدوش ہے لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا چاہیے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی اور قومی رہبری جائز نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں جب ساری ملت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو اور اس حال میں مسلمانوں میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو۔

(مستند اور معتبر روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سے جنگ و امن کسی حالت میں تقویٰ و دیانت کا دامن چھوٹنے نہ پایا، ان کو نہ قیادت کا دعویٰ تھا نہ وہ جنگ چاہتی تھیں بلکہ لوگوں کے اصرار اور حالات کے ناگزیر تقاضے کے تحت انہیں میدان میں آنا پڑا، ان کا مقصد قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخذہ منافقین کی سرکوبی اور رمت کا اتحاد تھا اور انہوں نے اس مقصد جلیل کے لیے اپنی موثر شخصیت کو خطرے میں ڈال کر اصلاح احوال کی پوری امکانی کوشش کی، ان کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف نیک نیتی پر مبنی تھا۔ چنانچہ وہ اجماع اہلسنت کے مطابق اجتہادی غلطی پر ہوتے ہوئے بھی ثواب کی مستحق ہیں۔)

بہر حال یہ حج کا موسم تھا اعلان کے ساتھ صرف حرمین کے چھ سو آدمیوں نے لبیک کہا، ابن عامر اور ابن مینہ عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ مہیا کیے، فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قیام گاہ پر مشورہ کا جلسہ ہوا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے

تھی کہ چونکہ سبائی اور عام باغی مدینہ ہی میں ہیں اس لیے ادھر ہی رخ کیا جائے غالباً اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ واقعہ کی صورت دوسری ہوتی۔ لیکن ایک مختصر مباحثہ کے بعد بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی۔ لوگ ساتھ چلتے جاتے اور روتے جاتے تھے کہ آہ اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے اور مادر اسلام اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلی ہیں' غرض منزل کے ختم پر تین ہزار کی جمعیت ہوگئی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر جو تقریریں کیں وہ خطابت' جذبۂ اصلاح اور جوش ایمانی کا شہکار ہیں اور بڑی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں سبائیوں اور فتنہ پروازوں سے معمولی جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان صلح ہونے والی تھی مگر سبائیوں اور مفسدوں نے شبخوں مارا اور دفعتہً ان چند شراروں نے ہر جگہ آگ لگا دی (طبری ۶/۳۱۸۲) میدان جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی اور وہ اسے سنتے ہی واپس ہو گئے مگر ابن جرمند سبائی نے سجدے کی حالت میں ان کا سر تن سے جدا کر دیا' حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروان کے ایک تیر سے زخمی ہو کر شہید ہوئے۔)

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہاتھ آ گئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے' چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اہل کوفہ صرف ان پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے (طبری ۶/۳۱۹۳) ان کے طرف داروں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا مصری قبائل اور ان میں بھی بنوعدی اور بنوضبہ کے آدمی جوش سے بھرے ہوئے تھے' ادھر سے دشمنوں کا ریلہ تھا' ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے داہنے بکر بن وائل'

بائیں اوڈ سامنے بنو ناجیہ مادر اسلام کی عزت و احترام کے لیے اپنی اپنی جانیں فرزندانہ خدومت کے ساتھ نثار کر رہے تھے' اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا' آہنی ہو کر تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہو رہا تھا' پر جوش بیٹے آگے پیچھے دائیں بائیں اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے' زبان پر اس طرح کے رجز کے فخریہ اشعار تھے۔

یا امنا یا خیر ام تعلم　　　اما ترین کم شجاع یکلم

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنوضبہ کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کو آگے بڑھتا' وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر نکیل تھام لیتا اس طرح ستر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاس کھڑے تھے۔ جس نے دشمنوں میں سے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ اڑا دیا' کہتے ہیں کہ فضا میں ہاتھ گلیوں کی طرح اڑ رہے تھے...... بنوضبہ کے کچھ لوگ ادھر سے بھی شریک تھے' یہ دیکھ کر کہ اونٹ اگر ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا تو ہمارا قبیلہ اسی طرح کٹ کٹ کر مر جائے گا' ایک ضبی پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھم سے گر پڑا' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوڑ کر ہووج کو سنبھالا' محمد بن بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر ہاتھ لے جا کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے؟ محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تمہارے بھائی محمد کا بہن! کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ فرمایا تم محمد نہیں مذمم ہو' اتنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے انہوں نے خیریت دریافت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا' اچھی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ان کے طرف دار بصری رئیس کے گھر اتارا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک

تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہوجاتا تھا۔(ابن سعد جز نساء ص ۵۶)

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا اخیر زمانہ ہے اس وقت ان کی عمر ۶۷ سرسٹھ برس کی تھی ۵۸ھ میں رمضان کے زمانہ میں بیمار پڑیں' چند روز تک علیل رہیں' کوئی خیریت پوچھتا' فرماتیں اچھی ہوں جولوگ عیادت کو آتے' بشارت دیتے۔ فرماتیں اے کاش میں پتھر ہوتی اے کاش میں کسی جنگل کی جڑ ہوتی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کوتامل ہوا کہ وہ آ کرتعریف نہ کرنے لگیں بھانجوں نے سفارش کی تو اجازت دی' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا'' آپ کا نام ازل سے ام المومنین تھا آپ آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں رفقاء سے ملنے میں اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔ خدا نے آپ کے ذریعہ تیمم کی اجازت عطا فرمائی ۔ آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جواب ہر محراب ومسجد میں شب وروز پڑھی جاتی ہیں'' فرمایا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھے اپنی اس تعریف سے معاف رکھو مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی۔

۵۸ھ تھا اور رمضان کی ۱۷ تاریخ مطابق ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدھام دیکھ کر روز عید کے ہجوم کا دھوکہ ہوتا تھا (ابن سعد جز نساص ۵۲)حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نوحہ اور ماتم سن کر بولیں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں' یہ حاکم کی روایت ہے' مسند طیالسی میں ہے کہ انہوں نے کہا ''خدا ان پر رحمت بھیجے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے' انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ اور حسب وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لیے ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔ (ابن سعد ص ۵۴) ایک مدنی سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا۔ جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا (ایضاً بخاری کتاب الہبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بعد کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا۔ یہ ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصے میں آیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تبرکاً اس کو ایک لاکھ درم میں خرید ا' تم جانتے ہو حضرت اسماء نے کثیر رقم کیا کی؟ عزیزوں میں تقسیم کردی۔

اخلاق وآداب:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ اس ذات اقدس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بسر کیا جو دنیا میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے آئی تھیں اور جس کے روئے جمال کا غازہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ہے اس تربیت گاہ روحانی یعنی کاشانہ نبوت نے سپردگیان حرم کو حسن اخلاق کے اس رتبہ تک پہنچا دیا تھا جو انسانیت کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اخلاقی مرتبہ نہایت بلند تھا۔ وہ نہایت سنجیدہ' فیاض' قانع' عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔

انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی جس عسرت اور فقر و فاقہ سے بسر کی۔وہ پچھلے صفحوں میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔لیکن وہ کبھی شکایت کا کوئی حرف زبان پر نہ لائیں بیش بہالباس' گراں قیمت زیور' عالیشان عمارت' لذیذ الوان نعمت ان میں سے کوئی چیز شوہر کے ہاں ان کو حاصل نہیں ہوئی۔وہ دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات کا خزانہ سیلاب کی طرح ایک طرف سے آتا ہے' دوسری طرف نکل جاتا ہے تاہم کبھی ان کی طلب بلکہ ہوس بھی ان کو دامن گیر نہیں ہوئی۔آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک دفعہ انہوں نے کھانا طلب کیا پھر فرمایا۔میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا نہ آتا ہو ان کے ایک شاگرد نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا خدا کی قسم دن میں دو دفعہ کبھی سیر ہو کر آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔(ترمذی' زہد)

خدا نے اولاد سے محروم کیا تھا تو عام مسلمانوں کے بچوں کو اور زیادہ تر یتیموں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں۔ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں۔اور ان کی شادی بیاہ کے فرائض انجام دیتی تھیں وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں' ان کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔مگر اس دفتر میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔سوکنوں کو برا کہنا عورتوں کی خصوصیت ہے مگر اوپر گزر چکا ہے کہ وہ کس کشادہ پیشانی سے اپنی سوکنوں کی خوبیوں کا بیان اور ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کرتی ہیں۔

دلیری:

نہایت شجاع اور پر دل تھیں۔راتوں کو تنہا اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں۔میدان جنگ میں آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔غزوہ احد میں جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا اپنی پیٹھ پر مشک لا دلا د کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔غزوہ خندق میں جب

چاروں طرف سے مشرکین محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملے کا خوف تھا وہ بے خطر قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا نقشہ جنگ معائنہ کرتی تھیں (بخاری: ذکر احد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائیوں میں بھی شرکت کی اجازت چاہتی تھیں لیکن نہ ملی جنگ جمل میں جس شان سے وہ فوجوں کو لائیں وہ بھی ان کی طبعی شجاعت کا ثبوت ہے۔

فیاضی:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔ دونوں بہنیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتے ہیں کہ ان دونوں سے زیادہ سخی اور صاحب کرم میں نے کسی کو نہیں دیکھا...... حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے سامنے پوری ۷۰۰۰۰ ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دے دی۔ اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔ (ابن سعد: جزو النساء ص ۴۵) امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے شام ہوتے ہوتے ایک حبہ میں پاس نہ رکھا۔ سب محتاجوں کو دے (مستدرک حاکم) دیا۔ اتفاق سے اس دن روزہ تھا لونڈی نے عرض کیا کہ افطار کے لیے کچھ رکھنا تھا' فرمایا کہ تم نے یاد دلا دیا ہوتا۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ کی رقم بھیجی انہوں نے ایک طبق میں یہ رقم رکھ لی اور اس کو بانٹنا شروع کیا اور وہ اس دن بھی روزہ سے تھیں۔ شام ہوئی تو لونڈی سے افطار لانے کو کہا۔ اس نے عرض کی یا ام المومنین اس رقم سے ذرا سا گوشت افطار کے لیے نہیں منگوا سکتی تھیں فرمایا اب ملامت نہ کرو تم نے اس وقت کیوں نہیں یاد دلایا۔

عبادت الٰہی:

عبادت الٰہی میں اکثر مصروف رہتی' چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں (مسند احمد:۶/۱۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں (ایضاً: ص۹۲) آپ کی وفات کے بعد بھی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں تو سویرے اٹھ کر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کر لتیں۔ (دارقطنی کتاب الصلوۃ) اکثر روزے رکھا کرتی تھیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں حج کی شدت سے پابند تھیں (ابن سعد:ص ۴۷) کوئی ایسا سال بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں۔(بخاری: حج النساء)

معمولی باتوں کا لحاظ:

منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں تک سے پرہیز کرتی تھیں۔ راستے میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھہر جاتیں کہ کان میں اس کی آواز نہ آئے۔(مسند احمد:۶/۱۵۲)ان کے ایک گھر میں کچھ کرایہ دار تھے۔ یہ شطرنج کھیلا کرتے تھے ان کو کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوادوں گی۔(بخاری باب الادب ۲۳۲)ایک دفعہ گھر میں ایک سانپ نکلا اس کو مار ڈالا' کسی نے کہا' آپ نے غلطی کی' ممکن ہے یہ کوئی مسلمان جن ہو فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین کے حجروں میں در آتا۔ اس نے کہا آپ ستر پوشی کی حالت میں تھیں جب وہ آیا یہ سن کر متاثر ہوئیں۔ اور اس کے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا۔(مسند:۶۷)

پردہ کا اہتمام:

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں' آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہوگیا تھا ...... ہمیشہ طالب علموں اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا (بخاری: کتاب الحج)

ایک دفعہ حج کے موقعہ پر چند بیبیوں نے عرض کی کہ ام المومنین چلیے حجر اسود کو بوسہ دے لیں' فرمایا تم جاسکتی ہو میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی' کبھی ان کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا (مسند: ۶/ ۱۱۷) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ ایک غلام کو مکاتب کیا تھا اس سے کہا کہ جب تمہارا زر فدیہ اتنا ادا ہو جائے تو میں تمہارے سامنے نہیں آسکتی۔(مسند احمد: ۶/ ۸۵)

مناقب:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر شناسی کے لحاظ سے جو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بابت فرماتے تھے' اس صحبت و تعلیم کی بنا پر جوان کو میسر آئی تھی اور اسی فطری جوہر و صلاحیت کے لحاظ سے جو قدرت کاملہ نے ان کو عطا کی تھی اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خاص مرتبہ حاصل تھا' اس بنا پر کتاب اللہ کا ترجمان' سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبر اور احکام اسلامی کا معلم ان سے بہتر کون ہوسکتا تھا اور لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف جلوت میں دیکھتے تھے اور یہ خلوت وجلوت دونوں میں دیکھتی تھیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عام عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کے کھانے کو عام کھانوں میں''	فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام (بخاری و ترمذی: مناقب عائشہ)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویائے صادقہ نے ان کے حرم نبوی میں ہونے کی خوش خبری سنائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بستر کے سوا کسی دوسری ام المومنین کے بستر پر وحی نازل نہ ہوئی جبرئیل امین نے ان کے آستانے پر

اپنا سلام بھیجا دوبار ناموس اکبر کو ان مادی آنکھوں سے دیکھا۔ عالم ملکوت کی صدائے بے جہت نے ان کی عفت وعصمت پر شہادت دی۔ نبوت کے الہام صادق نے ان کو آخرت میں پیغمبر کی چہیتی بیویوں میں ہونے کی بشارت سنائی۔(بخاری وترمذی: مناقب عائشہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ فخر نہیں کرتی بلکہ واقعہ کے طور پر کہتی ہوں کہ خدا نے مجھ کو ۹ نو باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں، خواب میں فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میری صورت پیش کی۔ جب میں ۷ سات برس کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، جب میرا سن ۹ برس کا ہوا تو رخصتی ہوئی، میرے سوا اور کوئی کنواری بیوی آپ کی خدمت میں نہ تھی۔ آپ جب میرے بستر پر ہوتے تب بھی وحی آتی تھی، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھی۔ میری شان میں قرآن کی آیتیں اتریں، میں نے جبرئیل کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے میری ہی گود میں سر رکھے ہوئے وفات پائی۔(مشدرک وطبقات ابن سعد)(علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ زرکشی نے الاجابتہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چالیس فضائل گنائے ہیں۔)(میر اعلام النبلاء جزءعائشہ)۔

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ صرف عام عورتوں پر، نہ صرف امہات المومنین پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام اصحاب پر فوقیت عام حاصل تھی صحیح ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے:۔

''ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں''۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث قط فسألنا عائشۃ الا وجدنا عندھا منہ عِلمًا (ترمذی :مناقب عائشہ)

عطا ابن ابی رباح تابعی جن کو متعدد صحابہ کے قلمبند کا شرف حاصل تھا کہتے ہیں:۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں''۔

کانت عائشۃافقہ الناس واعلم الناس واحسن الناس رایافی العامۃ (مشہ رک حاکم)

امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کی آغوش میں تربیت پائی تھی کہتے ہیں:۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے''۔

کانت عائشۃ اعلم الناس یسالھا الاکابر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ابن سعد ۲/۳۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ وہ بھی جلیل القدر تابعی تھے کہتے ہیں:۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا اور رائے میں اگر اس کی

ضرورت پڑے، ان سے زیادہ فقیہ اور آیتوں کے شان نزول اور فرائض کے مسئلہ کا واقف کار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

حواری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر عروہ بن زبیر کا قول ہے:۔

''میں نے حلال وحرام علم و شاعری اور طب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا''۔

ما رایت احدا علم بالحلال والحرام وللعلم والشعر والطب من عائشة ام المومنین (مشرک حاکم)

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو تمام تر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تربیت یافتہ تھے دریافت کیا کہ ام المومنین فرائض کا فن جانتی تھیں؟ جواب دیا خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔ (مشرک وابن سعد ۲/۱۲۶)

امام زہری کی شہادت ہے کہ:

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم ان میں سب سے وسیع ہوتا''۔

لو جمع علم الناس کلهم وعلم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکانت عائشة اوسعهم علما (مشرک)

بعض محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل میں یہ حدیث نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

''اپنے مذہب کا ایک حصہ اس گوری عورت سے سیکھو۔''

خذوا شطر دینکم عن حمراء

اس حدیث کو ابن اثر نے نہایہ میں اور مسند فردوس میں دیلمی بتغیر الفاظ لائے ہیں لیکن لفظاً اس کی سند ثابت نہیں اور اس کا شمار موضوعات میں ہے۔(مدضوعات شوکانی ۱۳۵ فاتمہ مجمع البحارص ۵۱۴ مقاصد حسنہ ۹۴ وغیرہ) تاہم معنی اس کے صحیح ہونے میں کسی کو شک نہیں (ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یقیناً دین کا بڑا حصہ تھا۔)(موضوعات ۳۷ (دہلی ۱۳۱۵ھ) سید صاحب نے حضرت عائشہ کے علم و فضل پر تفصیل سے لکھا ہے میرے یہاں علم سے متعلق ان کے بیان کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ان کی کتاب سیرۃ عائشہ دیکھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حدیث شریف:

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات' نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پایہ شرف صحبت اور قوت فہم و ذکار میں اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت بلند تھا لیکن قدرۃً بیوی کو مہینوں میں جو کچھ معلوم ہوسکتا ہے احباب خاص کو بھی برسوں میں اس کی واقفیت ہوسکتی ہے۔

کثیر الروایۃ صحابہ جن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے سات اشخاص ہیں۔جن کی مرویات کی تعداد اس طرح ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲۲۱۰) حضرت ابن عباس (۱۶۶۰) حضرت جابر (۱۵۴۰) حضرت ابوسعید خدری (۱۱۷۰)۔

کثرت روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چوتھا نمبر ہے۔جن لوگوں کا

نام ان سے اوپر ہے ان میں سے اکثر ام المومنین کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ان کی روایت کا سلسلہ چند سال اور جاری رہا ہے اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بنسوت اگر یہ بھی لحاظ رہے کہ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور اپنے مرد معاصرین کی طرح نہ وہ ہر مجلس میں حاضر رہ سکتی تھیں ۔اور نہ مسلمان طالبین علم ان تک ہر وقت پہنچ سکتے تھے اور نہ ان بزرگوں کی طرح ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوا۔ تو ان کی حیثیت ان سبع سیاروں میں سب سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔

فہرست بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کل روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے جن میں سے صحیحین میں ۲۸۶ حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں ان میں ۱۷۴ حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں۔ ۵۴ ایسی ہیں جو صرف بخاری میں ہیں اور ۵۸ صرف مسلم میں ہیں اس حساب سے بخاری میں ان کی دو سو اٹھائیس اور مسلم میں ۲۳۲ حدیثیں اور بقیہ حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ امام احمد کی مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثیں ہیں جو مصر کے مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں اگر ان کو الگ جمع کیا جائے تو حدیث کی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

روایت کے ساتھ درایت:

محض روایت کی کثرت ان کی فضیلت کا باعث نہیں ہے' اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے۔ قلیل الروایۃ بزرگوں میں بڑے بڑے فقہائے صحابہ داخل ہیں لیکن عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی باتیں روایت کر دیا کرتے ہیں فہم و درایت سے عاری ہوتے ہیں ...... درایت کی مخصوص فضیلت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا شریک ہیں جو روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ' اجتہاد' فکر اور قوت میں بھی ممتاز تھے۔

ام المومنین حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام نامی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور والد کا نام خزیمہ تھا' سلسلہ نسب مندرجہ ذیل ہے ''زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامہ بن صعصعۂ ۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سخاوت میں شہرۂ آفاق تھیں' کوئی سائل ان کے در سے خالی واپس نہیں جاتا تھا۔ فقرا اور مساکین کو نہایت سیر چشمی اور فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اور ان کی دلدہی کرتی تھیں ان کے دکھ درد میں شریک رہتیں اسی وجہ سے ام المساکین کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے سے قبل عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں' عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور یہ بیوہ ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نکاح میں لے لیا لیکن چند ہی ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ دوسری بیوی ہیں جنھوں نے وفات پائی نماز جنازہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی اور جنت البقیع میں سپردخاک ہوئیں انتقال کے وقت عمر شریف ۳۰ سال تھی۔ رَحِمَهَا اللّٰهُ۔

ج ۴ ص ۱۵۳۴) برہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ حضرت ابوسلمہ کا نسبی رشتہ قریش کی انتہائی اہم شاخ بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابوسلمہ سابقین اولین میں سے تھے۔ ابن اسحاق کی روایت (الاصابہ ج ۴ ص ۱۵۳) ہے کہ ان سے قبل صرف دس افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الحارث' عثمان مظعون' ارقم بن ابوالارقم' ابوسلمہ بن عبدالاسد ایک ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان تمام حضرات کے سامنے دعوت اسلام پیش کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی ان سب نے اسلام قبول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت وصداقت کی گواہی دی (ابن اثیر' اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۵ ص ۲۱۸)۔

سیرت نگاروں نے حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اسلام لانے کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ بالکل ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والی خواتین کا تذکرہ بھی نام بنام کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو اس وقت تک حضرت ام سلمہ رشتہ ازدواج میں داخل نہیں ہوئی تھیں یا انھیں کچھ تاخیر سے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں سال ستم رسیدہ مسلمانوں کا جو قافلہ سفر کی صعوبتیں جھیلتا اور بادسموم کا مقابلہ کرتا ہوا حبشہ کی طرف رواں دواں ہے اس میں ہمیں ابوسلمہ کے شانہ بہ شانہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی نظر آتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ ھ سے پہلے ہی وہ حلقہ اسلام میں داخل اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکی تھیں۔

ہجرت حبشہ:

حبشہ کی طرف ۵ ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہجرت (شبلی نعمانی' سیرت النبی ج ۱ ص ۲۳۳) ہوئی۔ اس وقت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بالکل نئی نویلی دلہن

تھیں۔ عمر کم از کم پندرہ اور بہت سے بہت بیس سال تھی۔ ذرا خیال کیجئے کہ ایک ناز و نعم میں پلی ہوئی نوعمر عورت جس نے ابھی جلد از دواجی زندگی کے میدان میں قدم رکھا ہے اسے اپنے محبوب وطن خوش حال میکہ اور سسرال کو الوداع کہہ کر ایک اجنبی نامانوس ملک کی طرف ہجرت کرنی پڑ رہی ہے۔ جہاں کی تہذیب وتمدن' زبان ومذہب' نسل وقوم' روایات وعادات بالکل مختلف تھیں۔ وہاں ان کے لیے دلکشی اور کشش کا کوئی سامان نہیں۔ نہ خوش حال زندگی کی توقع ہے نہ روشن مستقبل کی۔

یہ مختصر سا قافلہ جو ۵ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حبشہ کی طرف گامزن ہے صرف مفلوک الحال اور غریب مسلمانوں پر مشتمل نہیں اس میں تو وہ مسلمان بھی نظر آتے ہیں جو صاحب عزت ووجاہت' صاحب ثروت وعظمت تھے۔ قریش کے اعلیٰ خاندانوں سے ان کا تعلق تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عفان اور ان کی زوجہ محترمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زبیر بن العوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمیر' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اس قافلہ میں شامل تھے۔ یہ سب حضرات مکہ کے باوجاہت صاحب ثروت افراد میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن کفار مکہ کے بے پناہ ظلم وستم سے یہ لوگ بھی محفوظ نہیں تھے۔

ہجرت حبشہ کا اس سے بڑا محرک یہ تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں آزادی سے اسلامی فرائض کی ادائیگی کا اختیار نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے چھپ کر یہ لوگ نمازیں ادا کرتے' قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ان حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے ان دیوانوں اور سرفروشوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کا پروگرام بنایا۔ دین وایمان کے عزیز سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لیے انھوں نے اہل وعیال' مال ودولت' وطن وخاندان سب کی جدائی گوارا کی اور اہل

ایمان وعزیمت کے لیے ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت حاملہ تھیں۔(سکاکینی۔امہات المومنین و بنا الرسول) چنانچہ حبشہ پہنچنے کے کچھ دنوں بعد ان کے صاحبزادے سلمہ کی ولادت ہوئی۔حمل کی حالت میں ریگستان اور سمندر کا یہ طویل صبر آزما سفر کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن اللہ کی بندی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنھیں آیندہ ام المومنین کا لازوال خطاب ملنے والا تھا انھوں نے اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے شوہر کی رفاقت میں خوشی بہ خوشی یہ پر مشقت سفر اختیار کیا۔ریگستان کا طویل سفر کر کے یہ قافلہ بندرگاہ پر پہنچا تو دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔جہاز والوں نے صرف پانچ پانچ درہم کرایہ لے کر اس قافلہ کو حبشہ پہنچا دیا۔

حبشہ پہنچ کر ان مظلوموں نے اطمینان کا سانس لیا۔پوری آزادی سے اسلامی فرائض ادا کرنے لگے۔حبشہ کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا لیکن بہت نیک دل، عدل پرور۔اس نے اور وہاں کے لوگوں نے مہاجرین کے ساتھ بر احسن سلوک کیا۔ مہاجرین کی پاکیزہ سیرت اور بلند اخلاق نے وہاں کے باشندوں کو بہت متاثر کیا۔ وہیں پردیس اور اجنبی ماحول میں اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاند سا بیٹا دیا جس کا نام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا(الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۲) تجویز ہوا اور میاں بیوی کی کنیت ابو سلمہ، ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہو گئی۔

حبشہ سے واپسی:

کفار مکہ کو کب گوارا تھا کہ یہ مسلمان ترک وطن کر کے سکون و اطمینان کی زندگی بسر کریں۔چنانچہ انھوں نے نجاشی (محب الدین طبری السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین ص ۱۰۰) اور اس کے درباریوں کے لیے بیش قیمت ہدایا و تحائف کے ساتھ ایک سفارتی وفد روانہ کیا تاکہ نجاشی ان مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دے اور

انھیں مجبوراً مکہ واپس آنا پڑے جہاں ان پر ازسرنو ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں۔ کفار مکہ کا وفد اپنی مہم میں ناکام ہوگیا۔لیکن کچھ ہی دنوں بعد حبشہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ کفار مکہ نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ سن کر حبشہ میں مقیم صحابہ نے مکہ کا رخ کیا۔ مکہ سے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔اس لیے بعض لوگ حبشہ واپس چلے گئے ۔اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ (السیر ۃ النبویہ لابن ہشام ج ا ص ۲۲۹) میں داخل ہوگئے ۔واپس آنے پر مکہ والوں نے دوبارہ بے پناہ ظلم ڈھائے۔ مجبور ہو کر مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کا راستہ اختیار کیا۔لیکن اب ہجرت کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کفار مکہ بہت چوکنا تھے۔ہجرت سے باز رکھنے کی ہر ممکن تدبیر اپناتے ۔پھر بھی تقریباً سو مسلمان کسی طرح حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اس کو حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو طالب کی پناہ میں:

بعض تذکروں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حبشہ کی دوسری ہجرت میں بھی شریک تھے۔لیکن تحقیق یہ ہے کہ حبشہ کی دوسری ہجرت کرنے والوں میں یہ دونوں شامل نہیں تھے۔ سیرت (السیر ۃ النبویہ لابن ہشام ج ص ۲۸۴ ۲۸۵)ابن ہشام میں ہجرت حبشہ سے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو طویل روایت درج ہے اس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ابن ہشام کی روایت کے مطابق حضرت ابو سلمہ نے حبشہ سے لوٹنے کے بعد مکہ ہی میں قیام کیا۔اور اپنے ماموں حضرت ابو طالب کی پناہ میں آگئے تاکہ کفار انھیں اذیت نہ دے سکیں۔ابو طالب نے جب ابو سلمہ کو پناہ دی تو ابو سلمہ کے خاندان بنی مخزوم کے کفار نے حضرت ابو طالب سے عرض کیا۔

"اے ابو طالب! آپ نے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دے کر ہم سے بچالیا۔تو قدرے معقول بات تھی لیکن اس کا کیا جواز ہے کہ آپ ہمارے

خاندان کے ایک فرد کو پناہ دے کر ہماری دسترس سے باہر کرنا چاہتے ہیں۔"

حضرت ابو طالب نے جواب دیا۔

"ابو سلمہ میرا بھانجا ہے اس نے مجھ سے پناہ طلب کی تو میں کیا کرتا۔ اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہیں کرسکتا تو بھتیجے کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا۔" (السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۲۹، ۲۳۰)

ابو سلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہما ابو طالب کے زیر سایہ زندگی گزارنے لگے۔ ابو طالب کی پشت پناہی کی وجہ سے یہ دونوں بڑی حد تک کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے ۱۰ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو حفاظت کا یہ حصار ٹوٹ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ان دونوں پر بھی ظلم و ستم کے بادل برسنے لگے اللہ جل شانہٗ نے بہت جلد اس تازہ مصیبت سے نجات کی شکل پیدا فرمادی۔

مدینہ کی طرف ہجرت:

۱۰ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اوس و خزرج کے چند لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ۱۱ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حج کے موقع پر بیعت عقبہ اولی پیش آئی جس میں اوس و خزرج کے بارہ افراد نے مشرف بہ اسلام ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ۱۲ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حج کے موسم میں بیعت عقبہ ثانیہ کا انقلاب انگیز واقعہ رونما ہوا۔ ابو طالب کی وفات کے بعد ابو سلمہ کفار کی مسلسل ستم رانیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ بیعت عقبہ اولی کے فوراً بعد انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تمام تذکرہ نگاروں (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۶۹، ۱۷۰) کا متفقہ بیان ہے کہ مدینہ کی ہجرت کرنے والے وہ سب سے پہلے صحابی ہیں۔ ابن ہشام (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۴) لکھتے ہیں۔

ہاتھ سے اونٹ کی مہار چھین لی اور مجھے ان سے لے لیا۔ ابو سلمہ کے خاندان (بنو الاسد) کے لوگوں نے جب یہ صورت دیکھی تو غضب ناک ہو کر کہا کہ جب تم لوگوں نے ابو سلمہ سے ان کی بیوی (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو چھین لیا تو ہم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اپنے خاندان کے بچے سلمہ کو نہیں چھوڑ سکتے پھر میرے بچے سلمہ کے بارے میں ایسی کش مکش ہوئی کہ اس کا ہاتھ جوڑ سے اکھڑ گیا۔ اور بنو عبد الاسد اسے لے کر چلے گئے۔ بنو مغیرہ نے مجھے اپنے پاس روک لیا اور میرے شوہر ابو سلمہ مدینہ چلے گئے ظالموں نے مجھے میرے شوہر اور بچے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

اس حادثے کے بعد میں روز صبح کو نکلتی، وادی الطح میں جا بیٹھتی اور شام تک برابر روتی رہتی۔ ایک سال یا اس سے کچھ کم و بیش میرا یہ حال رہا۔ حتیٰ کہ بنو مغیرہ کا ایک شخص میرا ایک چچا زاد بھائی میرے پاس سے گزرا میرا حال زار دیکھ کر رحم آیا اس نے جا کر بنو مغیرہ سے کہا تمہیں اس بیچاری خاتون (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر ترس نہیں آتا۔ تم لوگوں نے اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر دیا ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی بات سے متاثر ہو کر میرے اہل خاندان نے مجھ سے کہہ دیا کہ اگر چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ اس کے بعد بنو عبد الاسد نے میرے بچے سلمہ کو میرے حوالہ کر دیا۔ میں بچے کو لے کر اونٹ پر سوار ہو گئی۔ اور شوہر کے پاس مدینے جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔

میرے ساتھ کوئی رفیق سفر نہ تھا۔ مقام تنعیم پہنچنے کے بعد قبیلہ بنی عبد الدار کے ایک فرد عثمان بن طلحہ ابن ابی طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا ابو امیہ کی صاحبزادی کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ عثمان بن طلحہ کیا اکیلی ہو، تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے؟ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بخدا اس بچے (سلمہ) اور خدا کے سوا کوئی نہیں۔ عثمان بن طلحہ واللہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑ

سکتا۔ یہ کہہ کر انھوں نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور تیز قدموں سے چلنے لگے۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "واللہ مجھے کوئی ایسا عربی نہیں ملا جو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف ہو" ان کا یہ حال تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد اونٹ کو بٹھا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ میرے اترنے کے بعد اونٹ کو وہاں لے جاتے اور کجاوا اتار کر کسی درخت سے باندھ دیتے پھر الگ کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے جب کوچ کا وقت قریب آتا تو اونٹ پر کجاوا کس کر میرے پاس لاتے اور یہ کہہ کر ہٹ جاتے کہ سوار ہو جاؤ۔ میرے سوار ہونے کے بعد قریب آتے اور مہار پکڑ کر چل پڑتے۔ مدینہ پہنچنے تک ان کا یہی طریقہ کار رہا۔ جب انھوں نے قبا پہنچ کر بنی عمرو بن عوف کی بستی دیکھی تو کہا "آپ کے شوہر اسی بستی میں ہیں اللہ کا نام لے کر اس میں چلی جاؤ۔ پھر عثمان بن طلحہ مکہ لوٹ گئے۔
ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "خدا کی قسم، مجھے کسی ایسے اسلامی گھرانے کا علم نہیں جس پر خانوادہ ابوسلمہ جیسی مصیبتیں نازل ہوئی۔ اور میں نے عثمان بن طلحہ سے بڑا شریف انسان نہیں دیکھا۔"

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ میں:

ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی داستان ہجرت آپ نے خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی سن لی ذرا غور کیجئے کہ اس ناز پروردہ خاتون نے دین و ایمان کی حفاظت اور رضائے الٰہی کے لیے کیسی مصیبت جھیلی اور کیسی آزمائشوں سے دو چار ہوئیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے زمانے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے سال سوا سال پہلے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ پہنچیں۔ تو اس وقت ان کی عمر کم از کم بیس سال اور زائد سے زائد پچیس سال تھی۔ تذکرہ نگاروں (الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۳) نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کر کے مدینے پہنچنے والی پہلی خاتون تھیں۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اپنے شوہر ابوسلمہ کے زیر

سایہ سکون و عافیت کی زندگی بسر کرتی رہیں۔ ابو سلمہ کا قیام ابتدا قبا (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۳۹، ۲۴۰) میں مبشرین منذر کے یہاں رہا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن خثیمہ انصاری سے ان کی مواخات کرادی۔ عام مہاجرین کی طرح ابو سلمہ کی زندگی بھی فقر و فاقہ اور غربت کی تھی لیکن اس کے باوجود میاں بیوی بے حد خوش اور مطمئن تھے۔ کیوں کہ انھیں مدینہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اسلامی فرائض و احکام پر بے خوف وخطر کاربند ہو سکتے تھے۔ انصار کے اخلاص و ایثار سے مسلمانوں کی باہمی مووت و محبت ہمدردی و غم خواری نے ایسے معاشرے کی تشکیل کی تھی جس پر ہزار دولت اور مرفہ الحالی قربان جائے۔

ابو سلمہ کی وفات:

حضرت ابو سلمہ مسلم معاشرے کے ممتاز ترین لوگوں میں سے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر پورا اعتماد تھا۔ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ ۲ھ میں جب (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۷۵ عبدالروف داناپوری اصح السیر ص ۸۴) غزوہ ذی العشیرہ کی مہم پر روانہ ہوئے تو ابو سلمہ کو مدینے میں اپنا جانشین بنا گئے۔ ابو سلمہ غزوہ بدر میں شریک ہو گئے اور حق و باطل کے اس فیصلہ کن معرکے میں شجاعت و سپہ گری کے جوہر دکھائے۔ غزوہ احد میں بھی انھوں نے بھرپور حصہ لیا۔ غزوہ احد میں ابو سلمہ کو زخم کاری لگا۔ ایک ماہ کے علاج کے بعد زخم بہ ظاہر مندمل ہو گیا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ ان کی سرکردگی میں روانہ کیا کامیاب و بامراد لوٹے خاصا مال غنیمت حاصل ہوا اس کے بعد ۱۷ سترہ روز ٹھیک رہے اچانک غزوہ احد کا زخم ہرا ہو گیا اور اسی کے اثر سے ابو سلمہ عالم آخرت کی طرف سفر فرما گئے۔ (اکثر مورخین نے ابو سلمہ کی تاریخ وفات ۲۷ جمادی الاخرۃ لکھی ہے لیکن ابن کثیر نے ۲۷ جمادی الاولی تحریر کی ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۴۰ الھدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۹۱) وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے

ہے۔(طبقات ابن سعد ج ۹ ص ۸۷)

اوپر کی روایت سے اگر ایک طرف ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قابل رشک ازدواجی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف حضرت ابوسلمہ کی فہم و فراست، غیر جذباتیت اور مدبرانہ سنجیدگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے ہر شخص کی یہ جذباتی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیوی کسی دوسرے کے رشتۂ نکاح میں نہ آئے، اس تصور سے ہی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ رفیقۂ حیات کسی دوسرے کے حرم میں داخل ہو۔ لیکن یہاں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش کے باوجود ابوسلمہ نے انھیں نہ صرف یہ کہ نکاح نہ کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ پرزور مشورہ دیا کہ میری وفات کے بعد کسی مناسب جگہ نکاح ضرور کر لینا تاکہ عزت و عفت کے ساتھ زندگی گزار سکو اور بیوگی کی مشکلات سے نجات پا سکو۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے منارہ نور بن سکتا ہے۔ ابوسلمہ کا ناگہانی حادثۂ وفات ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صاعقہ طور بن کر گرا اور قریب تھا کہ ان کے صبر و تحمل کو بھسم کر کے رکھ دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہلوایا۔ ''ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شیطان جس گھر سے دوبار ذلت و خواری کے ساتھ نکالا جا چکا ہے کیا پھر اس گھر میں شیطان کو داخل کرنا چاہتی ہو۔'' (السمط الثمین ص ۱۰۸ ، ۱۰۹ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴) یہ پیغام سنتے ہی جذبات اور آہ و گریہ کا یہ سیلاب تھم گیا۔ جیسے کسی نے مضبوط دیوار کھڑی کر دی ہو۔ اس کے بعد ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صبر و تحمل کی بے مثال مثال قائم کی اور بڑے عزم و ہمت سے اس حادثے کو جھیلا۔

ابوسلمہ کی وفات کے بعد:

حوادث و مصائب کے وقت پختہ دیندار لوگ بھی شرعی حدود و قیود کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے اور بے صبری و ناشکری کا دفتر کھول دیتے ہیں۔ لیکن آیئے ہم دیکھیں کہ کسی

آفت و مصیبت کے وقت شریعت نے مسلمان کو کیا تعلیم دی۔ اور اس پر کاربند ہونے سے کیا نقد انعام ملتا ہے اور کس طرح رحمتیں برستی ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہی زبانی یہ نسخہ کیمیاء سنئے:۔

''ایک روز ابو سلمہ نے مجھ سے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب کسی پر مصیبت نازل ہو تو یہ دعا پڑھے:۔

''ہم سب اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم سب کو لوٹ کر اللہ کے حضور میں جانا ہے۔ اے اللہ میں اپنی مصیبت پر آپ ہی سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ مجھے اس مصیبت کے سلسلے میں اجر و ثواب مرحمت فرمائیے۔ اور مجھے اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز عطا فرمائیے''۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ حَسَبْتُ مُصِیْبَتِیْ فَاجِرْنِیْ فِیْھَا وَاَبْدِلْنِیْ بِھَا مَا ھُوَ خَیْرٌ فِیْھَا☆

ابو سلمہ نے مرض الموت میں دعا کی:

''اللھم اخلفنی فی اھلی بخیر''

ابو سلمہ کی وفات کے بعد میں نے کہا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ اَحْسَبْتُ مُصِیْبَتِیْ فَاجِرْنِیْ فِیْھَا جب یہ جملہ کہنا چاہا ''اَبْدِلْنِیْ بھا خیرا منھا '' (اس کے بدلے میں مجھے اس سے بہتر عطا فرمائیے) تو مجھے تامل ہوا کہ میرے لیے ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ تردد کے بعد آخر میں نے وہ جملہ کہہ دیا۔ میری عدت پوری ہونے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا' میں نے اسے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا اسے بھی رد کر دیا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ (مسند احمد ابن حنبل ج

۶ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴)

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام نکاح آنے کے بعد انکار و تامل کی کیا گنجائش تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ نکاح میں منسلک ہونا ایک مسلمان خاتون کی منتہائے آرزو اور کمال سعادت ہے لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا چونکہ ٹھنڈی دل و دماغ کی زیرک اور دو اندیش خاتون تھیں اس لیے انھوں نے ذرا بھی جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ نکاح سے قبل انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے صحیح حالات اور اندورنی جذبات سے واقف کرانا ضروری سمجھا تا کہ اگر نکاح ہو تو علی وجہ البصیرہ ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیرے میں نہ رہیں۔ انھوں نے نکاح کا پیغام لانے والے سے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنا کہ آپ کا پیغام سر آنکھوں پر لیکن میرے چند اعذار ہیں ان پر غور فرمالیں:۔

۱۔ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت زیادہ ہے اور آپ کے یہاں دوسری ازواج بھی ہیں اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کسی وقت بر بنائے رشک و غیرت مجھ سے کوئی نامناسب بات صادر ہو جائے جس سے آپ کو خفگی ہو اور میری آخرت تباہ ہو جائے۔

۲۔ میں صاحب عیال ہوں یعنی میرے چھوٹے بچوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوگی ان کے اخراجات کی زحمت ہوگی۔

۳۔ میری عمر زیادہ ہے۔

۴۔ یہاں مدینہ میں میرا کوئی ولی نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اعذار کے علی الترتیب حسب ذیل جوابات دیے:۔

۱۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہارا رشک ختم کردے۔

۲۔ تمہارے بچے میرے بچے ہیں اللہ ان کا متکفل ہوگا۔

۳۔ میری عمر تو تم سے کہیں زیادہ ہے۔

۴۔ تمہارا کوئی بھی ولی اس عقد نکاح کو ناپسند نہیں کرے گا۔(السمط الثمین ص ۱۰۲ ' ۱۰۳ سنن نسائی کتاب النکاح الابن امہ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۳)

شوال ۴ھ (شرح الزرقانی علی المواھب المدینہ ج ۳:۲۳۹) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد نکاح میں آ گئیں اور ام المومنین کے معزز لقب سے سرفراز ہوئیں۔ لیکن مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کا نکاح ان کے صاحبزادے سلمہ نے پڑھایا عمر بن ابی سلمہ نے یا عمر بن الخطاب نے دنیا میں یہ واقعات تو بے شمار ہوتے ہیں کہ مرد کو عورت کے صحیح حالات سے بے خبر رکھ کر بلکہ غلط بیانی کر کے نکاح کر دیا گیا۔ لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سلسلے میں جو کر دکھایا اس کی نظیر تاریخ عالم میں بہ مشکل ملے گی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی شدید خواہش کے باوجود انھوں نے اعذار کے عنوان سے وہ باتیں پیش کر دیں جو نکاح میں حارج ہو سکتی تھیں تا کہ امانت و دیانت کا تقاضا پورا ہو اور عقد نکاح میں معمولی دھوکے کا بھی شبہ نہ رہے اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۵ سے ۳۰ سال کے درمیان تھی۔

دوسری امہات المومنین پر نکاح کا اثر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المومنین ہونے کے باوجود بشری جذبات واحساسات سے خالی نہیں تھیں نئی سوکن کے گھر میں داخلہ سے پرانی بیوی یا بیویوں کے دلوں پر جو کچھ گزرتی ہے وہ سب کو معلوم ہے ام چونکہ نسبی شرافت وغرت کے ساتھ ظاہری حسن و جمال اور علم وذہانت میں بھی مشہور تھیں۔ عمر بھی زیادہ نہیں تھی اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بیویوں کو خدشہ و

خطرہ ہوا کہ کہیں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے حسن و جمال اور فضل وکمال کی وجہ سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل سے زیادہ قریب نہ ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چہیتی اور کم عمر بیوی تھیں فرماتی ہیں۔

''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تو مجھے شدید رنج وغم ہوا کیونکہ میں نے ان کے حسن و جمال کی تعریف سن رکھی تھی۔ ایک حیلہ سے میں نے ان کو دیکھا تو بخدا مجھے ان کا حسن و جمال اس سے دو چند محسوس ہوا جتنا مجھ سے بیان کیا گیا تھا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا نہیں یہ واقعہ نہیں ہے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتنی خوبصورت نہیں ہیں جتنا بیان کیا جاتا ہے لیکن رشک وغیرت سے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔''

اس کے بعد حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی حیلہ سے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا اس کے بعد کہا۔

''ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلاشبہ خوب صورت ہیں لیکن بخدا وہ اتنی خوبصورت نہیں جتنا کہ آپ بیان کر رہی ہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

''اس کے بعد میں نے پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غور سے دیکھا تو حفصہ کی بات صحیح معلوم ہوئی لیکن مجھے رشک وغیرت آ رہی تھی۔'' (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۴' شرح الزرقانی ج ۳ ص ۲۴۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسری تفصیلی روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ

''ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تاخیر سے تشریف لائے میں

نے عرض کیا کہ آپ اب تک کہاں تھے؟ فرمایا ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس۔ میں نے عرض کیا آپ کو ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے آسودگی نہیں ہوتی اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔" (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۰)

سوکنوں میں باہم رشک وغیرت کی بنا پر وقتی طور پر کچھ اختلافات کا ظہور ہو جاتا فطرت انسانی کے عین مطابق ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ امہات المومنین بھی عام سوکنوں کی طرح ہر وقت دست وگریبان رہتی تھیں۔ حدیث وسیرت کی کتابوں کا سرسری مطالعہ کرنے سے بھی یہ صداقت منکشف ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات دنیا کی عام سوکنوں سے بلند وممتاز تھیں۔ وہ ایک دوسری کی خوشی اور غمی میں برابر کی شریک ہوتی تھیں۔ ان کے باہمی تعلقات بڑے خوشگوار اور مخلصانہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے خلاف جب واقعہ افک کا طوفان اٹھا اس وقت دوسری ازواج مطہرات نے جو رویہ اپنایا وہ صنف نازک کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہما سے اور ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے اس سے دونوں کے مخلصانہ تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مقام:

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حلم وخوش خلقی، فہم وفراست سے بہت جلد خانوادہ نبوی میں ممتاز مقام پیدا کرلیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل ودماغ سے بہت زیادہ قریب ہوگئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر بہت اعتماد تھا۔ اہم معاملات میں ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ قربت واعتماد ہی کی بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹) نے ان کے بیٹے سلمہ کا اپنے چچا حضرت حمزہ کی صاحبزادی امامۃ سے نکاح کر دیا۔ ابو سلمہ سے ام سلمہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا کی جو اولاد تھی انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اولاد کی طرح پالتے ان کے اخراجات برداشت کرتے اور دینی وعلمی تربیت فرماتے۔ ایک بار عمر بن ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دسترخوان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے بیٹھے اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا۔ بیٹے قریب آجاؤ۔ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے کھاؤ برتن میں اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاری کتاب الاطعمہ باب التسمیتہ علی الطعام)

بعض مورخین کے بیان کے مطابق امہات المومنین میں ذہنی اعتبار سے دو جماعتیں تھیں (بخاری کتاب المناقب باب مناقب عائشہ) ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ دوسری جماعت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بقیہ ازواج مطہرات' دوسری جماعت کی سردار (اصح السیر ص ۵۸۰) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ان کے مکان میں بعض اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ عجب اتفاق ہے کہ حضرت ابولبابہ (تاریخ ابن جریر ج ۳ ص ۵۳ تا ۵۵ حوادث ۵) اور کعب بن مالک وغیرہ کی مغفرت اور توبہ قبول ہونے کے سلسلے میں آیتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے مکان میں نازل ہوئیں کعب بن مالک اپنا قصہ تفصیل سے بیان کرتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں۔

''ایک تہائی رات باقی تھی اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہماری توبہ قبول ہونے سے متعلق آیت نازل ہوئی اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میرے معاملہ سے ہمدردی اور دلچسپی تھی' میری خیر خواہ تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کعب بن مالک کی توبہ قبول ہوگئی۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اسی وقت کسی کو بھیج کر انھیں قبول توبہ کی خوش خبری دیدوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو یہاں غیر معمولی بھیڑ لگ جائے گی۔اور رات بھر تم لوگوں کا سونا مشکل ہو جائے گا۔نماز فجر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں توبہ قبول ہونے کی اطلاع دی۔خوشی سے آپ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔(بخاری کتاب التفسیر باب وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج شناسی اور خشیت الٰہی:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت و آرام کا بڑا خیال رہتا تھا۔اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کے خلاف ان سے کوئی کام صادر ہوتا تو فوراً توبہ واستغفار کرتیں۔اور تلافی کی پوری کوشش کرتیں۔لوگوں کو معلوم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امہات المومنین میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت ہے۔اس لیے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا ہوتا وہ کوشش کرتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرے۔چند امہات المومنین کو اس صورت حال سے تکلیف تھی۔سب کی خواہش تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام میں اعلان فرما دیں کہ جسے ہدیہ پیش کرنا ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کر دے خواہ آپ کسی کے مکان میں ہوں۔اس کا اہتمام نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی باری کے دن ہدیہ پیش کریں۔لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کون کرے۔کسی طرح کہہ سن کر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جماعت کی بیویوں نے انھیں بات کرنے پر تیار کیا۔

انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ازواج مطہرات کی بات رکھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبار اعراض فرمایا اور تیسری بار فرمایا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیوں کہ عائشہ کے سوا تم میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں مجھ پر وحی آئی ہو۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا میں اس حرکت سے اللہ کے حضور میں توبہ کرتی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں (صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب عائشہ)

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔

ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ایک روز ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی۔نبی اکرم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کجاوہ سمجھ کر صفیہ کے کجاوہ کی طرف چلے آئے۔اور صفیہ سے باتیں کرنے لگے۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ دیکھ کر بری غیرت آئی۔جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی غلط فہمی کا علم ہوا اور دیکھا کہ یہ تو حضرت صفیہ کا کجاوہ ہے فوراً ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس چلے گئے۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (رشک وغیرت سے مغلوب ہوکر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دیا۔میری باری کے دن آپ اس یہودزادی سے ہم کلام تھے۔زبان سے یہ جملہ نکالنے کے فوراً انھیں بڑی ندامت ہوئی۔اور توبہ و استغفار کرنے لگیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے۔جذبہ غیرت نے میری زبان سے ایسا سنگین جملہ نکلوا دیا۔(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۵ تا ۹۶) محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت مزاج شناس تھیں۔آپ کی راحت رسانی کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔سفینہ (مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۳۱۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ام سلمہ

رضی اللہ تعالی عنہا نے اس شرط پر آزاد کیا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باحیات ہیں' ان کی خدمت لازم ہوگی۔

اصابت رائے کی ایک نادر مثال:

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ان کا کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس واقعہ سے ان کی غیر معمولی ذکاوت اور اصابت رائے 'نیز نفسیات انسانی کے گہرے مطالعہ کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری کی روایت ہے کہ

''صلح نامہ لکھوانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ اکرام سے فرمایا کہ قربانی کرو اور حلق کر ڈالو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر ایک شخص بھی کھڑا نہیں ہوا۔ آپ نے تین بار یہ حکم دیا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا (چونکہ صلح نامہ کی شرطیں بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لیے تمام حضرات رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ صحابہ کے رویہ کی شکایت کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کیا۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ اپنے جانوروں کو قربان کر دیں پھر نائی کو بلوا کر بال منڈ والیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔ جب صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربانی کرتے اور بال منڈ واتے دیکھا (یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں) تو سب نے قربانیاں کیں۔ احرام اتارا' قربانی اور حلق کے لیے بے پناہ ہجوم ہوگیا۔ (شرح الزرقانی علی المواہب الدنین ج ۲ ص ۲۰۹)

امام الحرمین اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔'' (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالی قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ)

دوسری ازواج مطہرات کی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بھی خدمت و فدائیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بے اختیار چیخ پڑیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

صحبت نبوی سے استفادہ:

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحہ تک احکام دین تعلیمات شریعت سیکھتی رہیں۔ان کے ذریعہ اسلامی عقائد و احکام کا بڑا ذخیرہ آیندہ نسلوں تک پہنچا۔کبھی کبھی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علمی، دینی سوالات کرتیں اور کبھی کبھی دوسری عورتوں کے سوالات و مشکلات خدمت نبوی میں پیش کر کے ان کا جواب معلوم کرتیں۔غرضیکہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت و صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا اور زندگی کے آخری لمحے تک علم دین کی شمع روشن رکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہمہ تن علم و دین کی خدمت اور نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئیں۔طویل عمر پانے کی وجہ سے انھیں اس سعادت کا خوب موقع ملا۔بڑے بڑے صحابہ جو خود اپنی اپنی جگہ پر علوم دینیہ کا سمندر تھے وہ بھی ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہیں تھے۔صحابہ کرام میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہوتا تو ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کا قول قول فیصل ہوتا۔

ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما میں اس مسئلہ پر اختلاف ہوا کہ جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا ہو اور چار ماہ دس دن کی مدت پوری ہونے سے پہلے اس عورت کے بچہ پیدا ہوا وہ کہیں شادی کر سکتی ہے کہ نہیں؟حضرت ابو ہریرہ کی رائے تھی کہ عدت پوری ہو گئی اب وہ کہیں بھی شادی کر سکتی ہے۔ابن عباس کی رائے تھی کہ اسے بہر صورت چار مہینے دس روز عدت

''اگر ان کے فتاوی جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔''

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں۔(الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۴)

''ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا انتہائی خوب صورت کامل العقل' صائب الرائے تھیں۔ حدیبیہ کے موقع پر انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مشورہ دیا اس سے ان کے کمال عقل' اصابت رائے کا پتہ چلتا ہے۔''

روایت حدیث اور فقہ وفتاوی دونوں میں ان کا شمار صحابہ کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے جن کی روایات وفتاوی کی تعداد نہ بہت کم ہے نہ بہت زیادہ۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا فقہ وفتاوی اور روایت حدیث کے سلسلہ میں بعض اکابر صحابہ پر استدراک کرتیں' غلطی پر تنبیہ کرتیں اور عموماً صحابہ ان کی تنبیہ واستدراک کو حق بجانب قرار دیتے۔

ابو بکر بن عبدالرحمن فرماتے ہیں۔(مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۰۸)

''ایک بار میں نے ابو ہریرہ سے روایت سنی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح تک جنابت کی حالت میں رہے اس کا روزہ صحیح نہیں ہوتا۔ میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا' ہم نے اس سلسلے میں دونوں سے دریافت کیا تو دونوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت جنابت میں صبح کرتے پھر بھی روزہ رکھتے۔اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہماری ملاقات ہوئی تو والد صاحب نے ان سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت بیان کی تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔انھوں نے فرمایا کہ فضل بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی تھی۔لیکن امہات المومنین اس سلسلے میں زیادہ واقف ہوں گی۔اس کے بعد ابو ہریرہ نے اپنا فتوی واپس لے لیا۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے ۔ مروان نے پوچھا۔ آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پڑھتے تھے ۔ چونکہ اس سلسلے میں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا حوالہ دیا اس لیے مروان نے تصدیق کے لیے ایک آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا ۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس آدمی بھیجا گیا تو دریافت کرنے پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا۔

''خدا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا (مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹ تا ۳۰۶' صحیح بخاری کتاب السھو باب اذا کلم وھو یصلی فاشار بیدہ میں اس طرح واقعہ ہے ۔) کی مغفرت کرے ۔ انھوں نے میری بات نہیں سمجھی' کیا میں نے انھیں یہ نہیں بتلایا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔'' (الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۴ تا ۲۲۵)

تلامذہ :

ان کے چشمہ فیض وعرفان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ کیوں کہ انھیں طویل عمر ملی' اور انھوں نے اپنے وقت عزیز کا بڑا حصہ علم دین کی خدمت میں صرف کیا۔ حافظ ابن حجر مکی الاصابہ میں لکھتے ہیں ۔

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسلمہ' فاطمۃ الزھرا سے روایت حدیث کی اور ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ان کے صاحبزادے عمر' ان کے بھائی عامر' بھتیجے مصعب بن عبداللہ ان کے مکاتب نبہان وغیرہ نے روایت کی ۔ صحابہ میں سے صفیہ بنت شبیہ' ھند بنت الحارث' قبیصہ بنت ذوئب' عبدالرحمٰن بن الحارث وغیرہ نے روایت کی ۔ کبار تابعین میں سے ابوعثمان

درخواست کی تو انھوں نے اپنے بیٹے عمر کو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس بھیج دیا۔(سیر اعلام النبلا ج ۳ ص ۲۰۸) ۶۱ ھ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا۔حادثہ کی خبر سن کر دم بخود رہ گئیں اور غشی طاری ہوگئی۔(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹)

وفات اور سن وفات:

تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات امہات المومنین کے بعد ہوئی لیکن سن وفات میں شدید اختلاف ہے۔بعض نے ۵۹ ھ سن وفات تحریر کیا ہے بعض نے ۶۱ ھ اور بعض نے ۶۳ ھ اقوال میں تیسرا قول صحیح ہے۔ابن حجر لکھتے ہیں۔(الاصابۃ ج ۸ ص ۲۲۵)

"صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان یزید بن معاویہ کے دور خلافت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور اس لشکر کے بارے میں پوچھا جو زمین میں دھنسایا جائے گا۔ان لوگوں نے یہ سوال اس وقت کیا جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک شامی لشکر مدینہ کی طرف روانہ کیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔اور واقعہ حرہ ۶۳ ھ میں پیش آیا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ (الاستیعاب ج ۲ ص ۷۸۴ تا ۷۸۵ 'طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۶) نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔اس گنجینہ علم وفضل کو بقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔"

طبقات ابن سعد (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۶) کی روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس تھی لیکن ذہبی (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۲) نے لکھا ہے کہ تقریباً ۹۰ نوے سال عمر ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اولاد:

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سب اولادیں ابوسلمہ سے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اولاد اور ان کی پیدائش و حالات کے بارے میں سیرت نگاروں میں سخت اختلافات ہیں بعض نے ان کی اولاد کی تعداد تین لکھی ہے بعض نے چار اور بعض نے پانچ اور مختلف کتابوں سے ان کی حسب ذیل اولادوں کا سراغ ملا ہے:۔

سلمہ بن ابی سلمہ:

تقریباً تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ ان کی پیدائش حبشہ میں حبشہ کی پہلی ہجرت کے بعد ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح امامۃ بنت حمزہ بن عبد المطلب سے کر دیا تھا۔ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت تک زندہ رہے۔ بعض سیرت نگاروں کی تحقیق یہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انھوں نے کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۰۹)

عمر بن ابی سلمہ:

ان کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟ اس سلسلے میں شدید اختلاف ہیں۔ جائے پیدائش کے سلسلے میں حبشہ، مکہ، مدینہ تینوں جگہوں کا نام لیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر کا قول ہے کہ عمر ابن ابی سلمہ مجھ سے دو سال بڑے ہیں۔ کچھ مصنفین نے لکھا ہے کہ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علی کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی نے انھیں فارس اور بحرین کا حاکم مقرر کیا۔ ان سے بہت سی روایتیں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۰۶، ۴۰۸، الاصابہ ج ۴ ص ۵۹۳)

زینب بنت ابی سلمہ:

ان کی پیدائش ایک قول کے مطابق حبشہ میں اور دوسرے قول کے مطابق مدینہ میں ابوسلمہ کی وفات کے بعد ۴ھ میں ہوئی۔ ان کا نام پہلے برہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر زینب رضی اللہ تعالی عنہا رکھا۔(اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸ ۴۶۹‘ الاستیعاب/ ج ۲ ص ۷۵۶‘۷۵۵)

درہ بنت ابی سلمہ:

ان کی پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے لیکن بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی یہ نکاح کے قابل ہوگئی تھیں۔ کیونکہ بخاری کی ایک روایت (بخاری کتاب النکاح باب وَرَبَـائِبُكُمُ الَّاتی فِیْ حِجُوْرِكُمْ اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۴۹ الاستیعاب ج ۷ ص ۴۴۹‘ الاستیعاب ج ۲۔ ۷۱۷) میں ہے کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے سنا کہ آپ درہ بنت ابی سلمہ سے عقد کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے اول تو اس کی ماں میرے نکاح میں ہے دوسرے اس کے باپ ابوسلمہ میرے رضاعی بھائی تھے۔

محمد بن ابی سلمہ (الاصابہ ج ۷ ص ۱۵)

ام کلثوم بنت ابی سلمہ (الاستیعاب ج ۲ ص ۷۹۴ تا ۷۹۵)

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا

نام ونسب:

زینب رضی اللہ تعالی عنہا نام' ام الحکم کنیت' قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے زینب رضی اللہ تعالی عنہا بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو عبد المطلب جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر تھیں۔ اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام:

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ اسد الغابہ میں ہے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳)

"قدیم اسلام تھیں"۔ كَانَتْ قَدِيمَةَ الْإِسْلَامِ

نکاح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنّی تھے' ان کا نکاح کر دیا۔ اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے' اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے' قریش اور خصوصاً خاندان بنوہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے' لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر اور ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا

ہے۔اس بناپر اگر چہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظاہر غلام تھے۔تاہم چونکہ (وہ مسلمان اور مرد صالح تھے۔اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوان کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا) تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے

''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس لیے کیا تھا کہ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیں''۔

تزوجها ليعلمها كتاب اللّٰه وسنة رسوله (اسد الغابه ج ۵ ۴۶۳)

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلقات قائم نہیں رہ سکے۔اور شکر رنجی بڑھتی گئی۔حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور طلاق دینی چاہی:۔

''زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں''۔

جاء زيد بن حارثة فقال يا رسول اللّٰه ان زينب اشتد علي لسانها وانا اريدان اطلقها (صحيح ترمذی ۵۳۱)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

''اور جبکہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو''۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ ﴿احزاب : ۵﴾

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے اور آخر حضرت زید نے ان کو طلاق دیدی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہن تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تربیت سے پلی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا۔ جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا (چونکہ زید غلام رہ چکے تھے اس لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ نسبت گوارا نہ تھی) بہر حال وہ مطلقہ ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک متبنّیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

''اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے''۔ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاہُ ﴿احزاب : ۵﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' تم زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے گھر میں آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں' چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں

لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لایا ہوں'' جواب ملا ''میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ یہ کہا اور مصلی پر کھڑی ہوگئیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آئی۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا اور نکاح ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا انصار میں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ تین سو آدمی شریک دعوت ہوئے کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کردی تھیں۔ باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرط مروت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منھ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا' اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:۔

"اے ایمان والو! نبی کے
گھروں پر مت جایا کرو، مگر
جس وقت تم کو کھانے کے لیے
اجازت دی جائے ایسے طور پر
کہ تم اس کے تیاری کے منتظر نہ
رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے
تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا
چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور
باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے
رہا کرو۔ اس بات سے نبی کو
ناگواری پیدا ہوتی ہے سو وہ
تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ
تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ
نہیں کرتا ہے اور جب تم ان
سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر
مانگو"۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ
یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ
نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا
دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ
لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ
یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ
الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ
مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ
حِجَابٍ ﴿احزاب :۷﴾

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی۔ یہ ذوالقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کی متبنّیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزادہ وغلام کی تمیز اٹھ گئی۔ پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا اسی بنا حضرت زینب

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ازواج کے مقابلے میں فخر کیا کرتی تھیں۔ (ترمذی ص ۵۳۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴)

ازواج مطہرات میں جو بیویاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں۔ ان میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

''ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں عزت ومرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں''۔	هي التي كانت تساميني منهن في المنزلة عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. (صحيح مسلم باب فضل عائشه)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی' یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس آئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب کیا۔ کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھتی جاتی تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''کیوں نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح مسلم باب فضل

عائشہ)

وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا:۔

"تم میں مجھ سے جلد وہ ملے اسرعلکن لحاقا بی

جس کا ہاتھ لمبا ہوگا" اطولکن یدا

یہ استعارۃ فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیش گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کرلیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسامہ بن زید' محمد بن عبداللہ بن جحش' عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۹۱ مسلم ص ۳۴۱ ج ۲ اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲۰ ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی' واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔ لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے۔ عام روایت کے مطابق ان کا سن ۴۸ سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا۔ (طبری ص ۳۴۴۹: ج ۱۳)

حلیہ:

حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳)

فضل وکمال:

روایتیں کم کرتی تھیں کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں حضرت ام حبیبہ، زینب رضی اللہ تعالی عنہا بنت ابی سلمہ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادرزادہ) کلثوم بن طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔ (رضی اللہ تعالی عنہم)

اخلاق:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔

"یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا نیک، روزہ دار اور نماز گزار تھیں"۔	كانت زينب صالحة صوامة قوامة

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں:۔

"یعنی میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے زیادہ دین دار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی"۔	لم ارى امراة قط خيرا في الدين من زينب واتقى الله و اصدق حديثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشدابتذ الالنفسها في العمل الذى تصدق به و تقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفية ☆

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حمنہ شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:۔

''مجھ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھلائی ما علمت الا خیرا
کے سوا کسی چیز کا علم نہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے اس صدق و قرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے دوگزر کرو۔ یہ اواہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں' خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقرا اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا' انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو۔ برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے' دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی خدایا' اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہوگیا۔

ام المومنین حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''ام حبیبہ نے امت مسلمہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں پر فوقیت دی اور انہیں کفر میں دوبارہ جانا اس طرح ناگوار خاطر تھا جس طرح کہ آدمی کو یہ بات ناپسند ہے کہ وہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ (مورخین)

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہم و گمان میں یہ بات نہ تھی کہ قریش کے کسی فرد کو ان کے حکم سے سرتابی کی مجال ہوگی یا کسی اہم معاملہ میں ان کی مخالفت کر سکے گا کیونکہ آپ مکہ معظمہ کے مانے ہوئے سردار اور وہاں کے لیڈر تھے جن کی اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھرا جاتا ہے۔

لیکن آپ کی صاحبزادی ام حبیبہ رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے باپ کے دین کا انکار کرکے اور اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ایمان قبول کرکے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرکے اس گمان کے پرخچے اڑا دیے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بھرپور طاقت کے بل بوتے پر اپنی لڑکی اور اس کے شوہر کو اپنے اور اپنے آباؤاجداد کے دین کی طرف لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ ایمان جو حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں پیوست ہو چکا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ حضرت ابوسفیان کی تندی اس کو روک سکتی، وہ اتنا راسخ اور جڑ پکڑ چکا کہ ان کا غصہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اسلام کی وجہ سے حضرت ابوسفیان کو فکر دامن گیر ہوگئی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس منہ سے قریش کا سامنا کریں جب کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی مرضی کے تابع نہ رکھ سکے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے نہ روک سکے۔

قریش نے جب ابوسفیان کو حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر پر

دونوں ہی ایک منبع نور سے نکلے ہوئے ہیں۔''

پھر انہوں نے خدائے وحدہ لاشریک لہ' پر اپنے ایمان لانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا اعلان فرمایا۔

اور ان مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کیا جو ان کے ملک میں ہجرت کر کے آئے تھے اور ان کے برخلاف ان کے پادریوں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے دین نصرانیت پر قائم رہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے بعد خیال کیا کہ حالات بعد از خرابی بسیار معمول پر آ چکے ہیں اور مصائب و آلام کی راہوں کا لمبا سفر امن وامان کے گلزار پر آ پہنچا ہے لیکن تقدیر نے اپنے دامن میں کیا چھپا رکھا تھا اس سے بے خبر تھیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسے سخت امتحان سے دوچار کرے کہ جس میں عقل مند مردوں کی عقلیں گم ہو جائیں اور جس کے سامنے داناؤں کی دانائیاں کام نہ دیں۔

اسے یہ بھی منظور تھا کہ انہیں اس سخت آزمائش سے ایسی کامیابی عطا فرمائے کہ یہ کامیابی کی چوٹی پر بیٹھی نظر آئیں۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بستر پر آرام کرنے آئیں تو انہوں نے خواب دیکھا کہ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش ایسے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں غوطہ کھا رہا ہے جس کو تہہ بہ تہہ ظلمتوں اور تاریکیوں نے گھیر رکھا ہے اور بڑے برے حال میں گرفتار ہے۔ اس منظر سے آپ نیند میں گھبرائیں اور پریشان ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

اپنے اس خواب کا تذکرہ شوہر سے یا کسی اور سے کرنے کو دل نہ چاہا۔ لیکن ان کے خواب نے جلد ہی حقیقت کا جامہ پہن لیا۔ ابھی اس منحوس رات کا دن پورا بھی نہ ہو کہ عبید اللہ بن جحش اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور نصرانیت قبول کر لی۔

پھر وہ شراب خانوں میں شراب سے شغل کرنے لگا اور شراب نوشی سے کبھی سیر نہ ہوتا۔اور آپ کو دو باتوں میں اختیار دے دیا جس کا شیریں جام بھی تلخ ہی تھا۔

یا تو طلاق دے دی جائے......

یا نصرانیت قبول کر لیں......

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اچانک اپنے آپ کو تین چیزوں کے درمیان پایا۔

یا تو اپنے شوہر کی بات مان لیں جو انہیں نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا اور اس طرح اپنے دین سے مرتد ہو جائیں (معاذ اللہ) اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب مول لے لیں۔

اور یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ وہ اسے نہیں کریں گی خواہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈی سے گوشت نوچ لیا جائے۔یا مکہ معظمہ اپنے باپ کے گھر چلی جائیں جو ابھی تک شرک کا قلعہ اور اس کی پناہ گاہ ہے اور وہاں بے یار و مددگار اپنے دین پر مغلوب زندگی بسر کریں۔اور یا ملک حبشہ میں تنہا دھتکاری ہوئی وطن سے دور بے یار و مددگار پڑی رہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تیسرے راستے کو ترجیح دی اور حبشہ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں تک کہ خدا اپنی جانب سے کوئی کشادگی اور فراخی کا راستہ پیدا کر دے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ابھی آپ کے اس شوہر (جو نصرانیت قبول کرنے کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہ رہا) کی عدت کا زمانہ ختم نہ ہوا تھا کہ فراخی کا دور آ گیا۔سعادت اور خوش بختی کا سایہ آپ کے غمگین گھر پر رحمت کی گھٹا بن کر آیا۔

ایک روشن اور چمکتی صبح آپ کے دروازے پر دستک ہوئی دروازہ کھولا تو بادشاہ نجاشی

کی خادمہ خاص ''ابرہہ'' کو سامنے کھڑا پایا۔

تو آپ نے نہایت ادب اور بشاشت سے اسے سلام کیا۔ اس نے آپ رضی اللہ تعالی عنہا سے داخلہ کی اجازت چاہی اور کہا۔

بادشاہ سلامت آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہ سلامت کے نام ایک دستاویز بھیجی ہے اور اس میں انہیں (بادشاہ نجاشی کو) اس کا وکیل بنایا ہے کہ وہ ان سے آپ کا نکاح کر دیں اس لیے آپ جسے چاہیں اپنا وکیل بنا دیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور بلند آواز سے کہا '' خدا آپ کو بھلائی کی بشارت دے اور خوشخبری سے نوازے۔''

اور آپ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے جسم کے زیورات اتارنے لگیں پہلے اپنے دونوں کنگن نکال دیے اور کہا ''ابرہہ'' کو دے دینا...... پھر ان دونوں کنگنوں کے ساتھ اپنی پازیب بھی شامل کر دی پھر اس کے ساتھ اپنی دونوں بالیاں اور انگوٹھیاں (اتار کر) انہیں دے دیں۔ صرف یہی نہیں اگر ساری دنیا کے خزانے کی بھی مالک ہوتیں تو اس لمحہ انہیں سب دے دیتیں۔

پھر فرمایا:۔

''میں نے اپنے بارے میں خالد بن سعید بن عاص کو وکیل بنا دیا ہے۔ کیونکہ لوگوں میں وہ مجھ سے زیادہ قریب ہیں۔

بادشاہ نجاشی کے اس محل میں جو درختوں سے مالا مال ٹیلے پر تھا اور حبشہ کے خوشنما و دیدہ زیب باغات میں سے ایک باغ کے حسن و جمال سے اس کی نگاہیں لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

اور اس محل کے ایک ایسے وسیع و عریض ہال میں جو دلفریب نقش و نگار سے آراستہ اور

چمکدار نقاشی قندیلوں سے سجا ہوا اور بیش بہا ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت موجود تھی اور ان کے سردار حضرت جعفر بن ابی طالب' خالد بن سعید بن العاص' عبداللہ بن حذافہ سہمی اور ان کے علاوہ حضرات موجود تھے تاکہ حضرت ام حبیبہ کے عقد کا منظر دیکھ سکیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے ہو جا رہا تھا۔

جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو بادشاہ نجاشی نے مجلس کی صدارت کی اور کہا۔

''میں ایسے خدا کی حمد کرتا ہوں جو پاک ہے' پناہ دینے والا اور بامروت ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ذات مقدس ہیں جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام نے بشارت دی تھی۔

امابعد

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس بات کی خواہش فرمائی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابو سفیان سے کر دوں' تو میں نے آپ کی اس خواہش کو قبول کیا اور امت مسلمہ کے طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میں نے ان کا مہر چار سو دینار مقرر کیا ہے۔

پھر انہوں نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کے سامنے دیناروں کا ڈھیر لگا دیا۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

''تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں۔ میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس سے مغفرت کا طالب ہوں اور اسی سے توبہ کرتا ہوں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس

کے رسول ہیں جنہیں دین ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غلبہ اور طاقت بخشے' اگرچہ کفار ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔''

امابعد

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو قبول کیا اور اپنی موکلہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوسفیان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔

خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی زوجہ کے بارے میں برکت دے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ بھلائی مبارک ہو جس کو خدا نے ان کی قسمت میں لکھ دیا۔ پھر آپ نے مال اٹھایا اور چاہا کہ اس مال کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچائیں تو آپ کے ساتھی آپ کے اٹھنے کی وجہ سے اٹھ گئے اور واپس ہونا چاہا تو حضرت نجاشی نے فرمایا:۔

''آپ لوگ بیٹھ جائیں کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے کہ جب شادی کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس نے ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ سب لوگوں نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

''جب مال میرے پاس پہنچا تو میں نے ابرہہ کے پاس پچاس ۵۰ مثقال سونا بھیجا اور میں نے کہا۔ جس وقت آپ نے مجھے خوش خبری سنائی تھی تو میں نے آپ کو جو دینا تھا دیا' اور میرے پاس اس روز مال نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ابرہہ میرے پاس آئیں اور خوشبو کا ایک بکس نکالا جس میں وہ زیورات تھے جو میں نے انہیں دیے تھے' انہوں نے زیورات بھی میرے حوالے کیے اور کہا:

''بادشاہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں آپ سے کچھ بھی نہ لوں''

اور انہوں نے اپنی عورتوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنے پاس موجود عطریات کو

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی تھیں سلسلہ نسب یہ ہے (حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک) والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ جو مشہور صحابی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعثت نبوی سے ۵ سال قبل پیدا ئیں، اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام:

ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ غزوہ بدر میں خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زخم کھائے اور واپس آ کر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے۔ اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا۔ چند

دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تو صاف انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا' اس کے بعد خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی خواہش کی' نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا۔ لیکن میں نے اس بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا۔ اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصہ نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔

وفات:

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ نماز جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازہ کو قبر تک لے گئے ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے لڑکوں عاصم' سالم' عبد اللہ حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہو گی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا۔ یہ روایت اس بنا پر پیدا ہو گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال

افریقہ فتح ہوا۔حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی سال وفات پائی۔افریقہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔لیکن یہ سخت غلطی ہے۔افریقہ دومرتبہ فتح ہوااس دوسری فتح کافخر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خدیم کو حاصل ہے'جنہوں نے امیر معاویہ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی۔جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔

اولاد:

کوئی اولادنہیں چھوڑی۔

فضل وکمال:

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد اللہ صفیہ بنت ابوعبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روحہ عبد اللہ حارثہ بن وہب مطلب بن ابی وادعہ۔ام مبشر انصاریہ۔عبداللہ بن صفوان بن امیہ۔عبدالرحمن بن حارث بن حشام حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں۔جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تھیں۔

تَفَقُّہ فِی الدِّیْن کے لیے واقعہ ذیل کافی ہے۔ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر وحدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعتراض کیا کہ خدا تو فرماتے ہیں۔وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں'لیکن یہ بھی تو ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّاo پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوں پر گرا ہوا چھوڑ دیں

گے۔

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ حضرت شفا ؓ کو چیونٹی کے کاٹنے کا منتر آتا تھا۔ ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ تم حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کو منتر سکھلا دو۔

اخلاق:

ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے:۔

''وہ (یعنی حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں''۔ اِنَّھَا صَوَّامَۃٌ وَ قَوَّامَۃٌ

دوسری روایت میں ہے:۔

''انتقال کے وقت تک صائم رہیں''۔ مَاتَتْ حَفْصَۃُ حَتّیٰ مَا تَفْطَرَ

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں' تاہم شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے۔

دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا۔ دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علامتیں بتائی تھیں۔ اس میں بہت سی تھیں اس سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اس کو بہت سخت سست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہا نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں تمکو اس سے کیا غرض۔ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہو گا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے منقول کیا ہے کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے۔ اسلام نے ان کو درجہ دیا۔ اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی۔ میں نے کہا۔ تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ' بولیں ابن خطاب تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ میں اٹھا اور حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی میں نے سنا ہے' تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو' بولیں ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا خبر دار میں تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا ہوں (تم اس عورت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا رو رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ارشاد ہوا تم یہودی کی بیٹی ہو' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا خدا سے ڈرو۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ارشاد ہوا تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا پیغمبر ہے۔ اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا تم پر کس بات پر فخر کر سکتی ہے۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے

نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں۔ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگوار گزرا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہوسکتی ہو میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھے اس بنا پر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ایک دفعہ کئی دن تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے۔جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد بہت مرغوب تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا۔اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رشک ہوا۔حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو"۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ

کبھی کبھی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تا کہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو نہ پایا تو اپنے پیروں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں خداوند! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔!

صدق اللہ العظیم

ام المومنین

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آ کر آپ کی شریک حیات ہونے کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی جن گیارہ خواتین کو سعادت حاصل ہوئی ان میں سے ایک حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں اور ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کے بعد پھر کسی دوسری عورت کو آپ کے نکاح میں آنے اور آپ کے حرم میں داخل ہونے کی سعادت نہیں حاصل ہوئی۔

نام ونسب:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام ''برہ'' تھا' جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو آپ نے برہ کے بجائے ''میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' نام تجویز فرمایا۔

آپ کے والد کا نام ''حارث'' تھا' اور والدہ کا نام ''ہندہ'' تھا جو عوف کی صاحبزادی تھیں جن کا تعلق بنو حمیر سے تھا' اور آپ کے والد صاحب ''قریش'' کی ہی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے جس کو ''بنو ہلال'' کہا جاتا تھا۔ اس لیے آپ کو ''ہلالیہ'' کہا جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کا سلسلہ نسب سترہویں پشت میں قریش کے اجداد میں سے ''مضر بن نزار بن معد بن عدنان'' پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہنیں اور ان کی قرابتیں:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دس سے زائد بہنیں تھیں جن میں سے چار ان کی حقیقی بہنیں تھیں اور باقی ماں شریک تھیں۔

ان میں سے بعض کے ازدواجی رشتے صرف ان بہنوں کے حق میں ہی سعادت و شرافت کا باعث نہ تھے۔ بلکہ پورے خاندان کے لیے عزت وافتخار کا باعث تھے۔

بعد ان کی بہن اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان سے نکاح کا ذکر کیا تو انہوں نے بہن کو اختیار دیا کہ جو مناسب سمجھیں کریں حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا ذمہ دار بنایا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا منظور فرمالیا۔ اور یہ نکاح ایک سفر میں ہوا' ذیقعدہ ۷ھ میں آپ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کے قصد سے نکلے' راستے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے قریب ''سرف'' نامی ایک مقام میں ان سے نکاح کرلیا اور اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ عمرہ ادا کیا۔ عمرہ کے بعد آپ مزید قیام کر کے وہیں رخصتی کرانا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ اس موقعہ پر مکہ مکرمہ آپ کا تشریف لانا قریش کے شرط کے مطابق تین دن کے لیے ہوا تھا اس لیے مزید قیام نہ کر سکے اور واپسی میں مقام سرف پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ تنہائی فرمائی۔ اور بعض روایات کے مطابق آپ نے اس نکاح کے ولیمہ سے زیادہ عالیشان ولیمہ کسی نکاح کے بعد نہیں کیا۔

ان کے نکاح کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورہ احزاب کی مذکورہ ذیل آیت میں جن صحابیہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے لیے پیش کیا تھا وہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں۔

ارشاد ربانی ہے:۔

''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلاعوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں (ہم نے آپ کے لیے حلال کیا ہے۔'')

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ☆

﴿الاحزاب :آیت ۵﴾

اس صورت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کرانے واسطہ بننے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی اس آرزو پیش کش کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرمایا۔

فضل وکمال:

ان کا فضل وکمال ان کی خاندانی نسبت اوران کے اقارب کی شرافت وعزت سے ظاہر ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں ہونے سے بڑھ کر جیسے کوئی عزت نہیں ہوسکتی ویسے ہی جس کا تعلق آپ کے حرم سے ہواور جس کو آپ کا محرم راز ہونے کی سعادت حاصل ہو اس کے اندر جو بھی فضل وکمال ہو کم ہے۔ اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آکر آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا شرف صرف سوا تین سال کے لیے آپ کو حاصل ہوا۔لیکن یہ بھی بہت تھا پھر یہ کہ صحابیت کا شرف تو آپ کو پہلے سے حاصل تھا' اس لیے آپ جامع فضائل وکمالات تھیں دوسری ازواج مطہرات کی طرح آپ بھی فقیہ تھیں اوراحادیث کی روایت کیا کرتی تھیں آپ سے کتب حدیث میں ۷۶ روایات مروی ہیں۔

علمی فیض:

دیگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آپ کے علمی فیض سے امت یوں بہرہ ورہوئی کہ بہت سے صحابہ وتابعین نے آپ سے استفادہ کیا۔جن میں آپ کے

متعدد بھانجے اور آپ کے گھر و گھرانہ کے غلام و باندیاں بھی شامل ہیں۔ آپ سے استفادہ کرنے والے بھانجوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شخصیت سب سے اہم ہے کہ ان کو حضرات صحابہ بھی ترجمان القرآن کہا کرتے تھے اور غلاموں میں سے آپ کے غلام حضرت یسار کے تینوں صاحبزادگان عطا، سلیمان و عبدالملک کہ ان تینوں حضرات کا شمار اکابر اہل علم وفقہاء تابعین میں ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت عطاوسلیمان بڑے عابد و زاہد تھے۔

زہد وتقویٰ:

بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کا فضل و کمال معروف ہے وہ فرمایا کرتی تھیں کہ ازواج مطہرات کی جماعت میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔

منکرات پر نکیر:

اسی کا اثر تھا کہ جب کوئی نامناسب بات سامنے آتی تو فوراً تنبیہ کرتیں چنانچہ اپنے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو متعدد بار ٹوکا، معلوم ہوا کہ وہ اہلیہ کے ایام کی مدت میں اپنے بستر کو ان سے دور کر لیتے ہیں تو ان کو تنبیہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا ایسے ہی یہ معلوم ہوا کہ ان دنوں میں وہ اہلیہ سے اپنے بالوں میں کنگھا نہیں کراتے۔ تو فرمایا کہ آخر ہاتھ میں اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

جہاد میں شرکت:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنگ و جہاد سے بھی دلچسپی تھی اور فنون حربیہ سے بھی واقف تھیں اور ان چیزوں کا ان کو اتنا اہتمام تھا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلی عورت ہیں کہ جنہوں نے عورتوں کی باقاعدہ ایک جماعت بنائی تھی جو کہ جہاد میں شریک ہوتی اور مجاہدین کی بھرپور خدمت اور دیکھ بال کرتی یعنی مریضوں کی تیمار

داری زخمیوں کی مرہم پٹی اورمیدان جنگ کے پیاسوں کوپانی پلانا حتیٰ کہ ایک جنگ میں انہیں خدمات کی انجام دہی کرتے ہوئے دشمنوں کے ایک تیر نے ان کو بری طرح زخمی کردیا تھا۔مگر اللہ نے ان کوزندگی عطاءفرمائی۔حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی انہوں نے اس کام کا انجام دیا چنانچہ غزوہ تبوک میں وہ شریک تھیں اوراسی انداز کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھیں۔

وفات:

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اللہ نے ان کوطویل عمرعطافرمائی تاکہ امت ان سے فیض یاب ہوسکے ان کا نکاح حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۳۶ سال کی عمر میں ہوا تھا اوروفات اسی سال کی عمر میں راجح قول کے مطابق ۵۱ھ میں ہوئی۔اورعجیب اتفاق یہ کہ مقام "سرف" جہاں حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے نکاح فرمایا تھا۔اورآپ سے تنہائی فرمائی تھی اسی مقام پر ان کا انتقال ہوااوراسی مقام پرتدفین ہوئی (اس مضمون کی تیاری میں "اعلام النساء" (عمر رضا کحالہ) سیرت ابن ہشام "سیرت ابن قتیبہ" "رحمۃ للعالمین" "سیرصحابیات" اور"زوجات النبی" محمد الصواف وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔)

صدق الله العظيم

ام المومنین

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبیلہ بنونضر کے سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی اور رحمت عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریک حیات ہیں' ان کا اصلی نام زینب ہے جنگ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور اس میں سے جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا اس میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ مال غنیمت کے اس مخصوص حصہ کو جو بادشاہ یا امام کے لیے ہو عرب میں صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا جاتا تھا' اسی مناسبت سے حضرت زینب کا نام صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پڑ گیا اور اسی نام سے ان کی شہرت ہوگئی۔

حرم نبوی میں داخل ہونے سے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مختلف اشخاص کے نکاح میں رہیں جنگ خیبر میں جب مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی اور بہت سارا مال غنیمت ہاتھ آیا تو اس موقع پر ایک صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک باندی کا درخواست پیش کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں یہ حکم دیا کہ وہ انتخاب کر لیں چنانچہ انھوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چن لیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو حضرت دحیہ کلبی کو دے دیا حالانکہ وہ صرف آپ کے لیے سزاوار ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں جیسا سلوک مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کو ایک دوسری باندی دے دی اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد فرما کر خود ہی نکاح کر لیا اور اس طرح اپ نے ان کو حرم نبوی میں داخل فرما لیا......

یہ سب کچھ مقام خیبر ہی میں ہوگیا۔ خیبر سے روانہ ہونے کے بعد کیا ہوا۔ اسے صاحب سیرت الصحابیات نے بخاری' مسلم' اصابہ اور طبقات کے حوالے سے اس

طرح لکھا ہے:۔

"خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس موجود تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کر لیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔" (سیر الصحابیات ص ۸۵)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیگر ازواج کے مقابلے میں کوتاہ قد تھیں مگر قدرت نے حسن و جمال سے نوازا تھا چنانچہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے پستہ قد ہونے کے متعلق چند جملے اپنی زبان سے نکال دیئے۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے یہ ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے سمندر میں چھوڑ دیا جائے تو اس میں مل جائے۔جس کا مطلب ہے کہ یہ اتنی سخت اور گندی بات ہے کہ سمندر کا پانی بھی اس سے گندہ اور گدلا ہو جائے۔

حرم نبوی میں داخل ہونے کے بعد ان کی زندگی میں یک بیک بڑی تبدیلیاں ہو گئیں۔اور ام المومنین اور زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی وجہ سے ایسا ہونا بالکل ہی فطرت کا تقاضا تھا دیگر ازواج کی طرح انھوں نے علم وعمل میں پختگی اور پائداری حاصل کی۔حدیثیں روایت کیں۔اور لوگوں کو مسائل بھی بتائے ایک طرح سے حضرت صفیہ بھی علم وفضل کا امام ہو گئیں۔ان سے دریافت کرنے کے سلسلے میں مسند میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:۔

حضرت صہیرہ بنت حیفر حج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مدینہ میں آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کے لیے بیٹھی ہوئی تھیں صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا اس لیے انھوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھا کرتے ہیں۔(بحوالہ سیر الصحابیات)

اور اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔ آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے وہ برابر روتی جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار ہوئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی حسرت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ''کاش کہ آپ کی بیماری مجھ کو لگ جاتی۔ اتنا زبان سے نکالنا تھا کہ دیگر ازواج مطہرات نے ان کو گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ جو کچھ کہہ رہی ہیں سچ ہے یعنی اس میں ریا اور کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔''

اصابہ میں ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہت زیادہ محبت تھی چنانچہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کر رہے تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دو۔ اس پر انھوں نے برجستہ عرض کیا کہ میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا سننا کہ وہ ان سے سخت ناراض ہو گئے اور دو مہینے تک ان کے پاس نہیں گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فیاضی اور جود وسخا کے متعلق سیر الصحابیات نے زرقانی کے حوالے سے ان الفاظ میں شہادت نقل کی ہے۔

''حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ازواج مطہرات کو سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔ کھانا عمدہ پکاتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں۔''

الغرض حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان تمام اخلاقی خوبیوں اور علمی کمالات اور

تمام فضائل ومناقب سے آراستہ وپیراستہ تھیں جوام المومنین ہونے کے لیے ایک حد تک ضروری تھے حق تعالیٰ شانہٗ نے ان خوبیوں سے ان کونوازا تھا تاکہ حرم نبوی میں رہ کر دنیا میں آنے والی خواتین کے لیے ایسی مثالی راہ بنائیں جومنارہ نورو عرفان ہواور رہتی دنیا تک کی خواتین اس نوروعرفان کے منارہ سے روشنی حاصل کرتی رہیں۔

ہر حیات کے ساتھ موت کارشتہ جڑا ہوا ہے۔آدم سے اس دم تک موت کے بے رحم پنجہ نے کسی کوایک لمحہ کی مہلت نہیں دی اور اس نے انسان کو اپنا لقمہ اجل بنا لیا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اسی موت کے نتیجہ میں رمضان ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں دار بقا کی راہ لی اور جنت البقیع میں دفن کردی گئیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

ام المومنین

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام نامی جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عرب کے مشہور قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ مصطلق سے تعلق رکھتی تھیں' آپ کے والد حارث بن ابی ضرار اپنے خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی خاندان میں مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ اور شوہر دونوں اسلام کی دشمنی میں بہت آگے تھے اور اسی کے لیے انہوں نے فوج تیار کر کے مدینہ پر چڑھائی کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ تحقیقات کرائی جس سے حقیقت معلوم ہوئی کہ ایک فوج مدینہ پر حملہ کرنے آ رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لشکر تیار کیا اور مدینہ سے نکل کر مریسیع میں جو مدینہ سے نو ۹ منزل دور ہے قیام کیا مختصر جنگ کے بعد دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے اور بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں رئیس عرب ہوں میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی آپ اس کو آزاد کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خود جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے' یہ سن کر حارث نے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری مرضی پر رکھا ہے دیکھو میری بات خراب نہ کرنا یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں' اس پر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ نے ان کا زرفدیہ ادا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح ہونے پر صحابہ کرام نے فوراً سارے قیدیوں کو رہا کر دیا کہ جس خاندان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کر لی ہے اس کا کوئی آدمی غلام نہیں رہ سکتا۔ اس

طور پر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت جوہریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ربیع الاول ۵۰ھ میں دارفانی سے کوچ کیا۔ اس وقت سن مبارک ۶۵ برس کا تھا اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئیں۔ اپنے قبیلہ کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام برہ تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل کر کے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھا۔

انتقال:

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوبصورت اور موزوں اندام تھیں اور صاحب علم و فضل تھیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن السباق، طفیل ابوایوب مراغی کلثوم بن معطلق، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن شداد نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احادیث روایت کی ہیں۔

نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں اور نہایت تضرع سے دعا کرتی تھیں اور کثرت سے روزے رکھتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہت تعلق و محبت تھی۔

-----اختتام-----